امیدِ صبحِ نو

تمباکو نوشی اور اس کے مضر اثرات سے آگاہی اور بچاؤ سے متعلق
مشہور و معروف مصنفہ فوزیہ تاج کی لکھی ایک منفرد کتاب

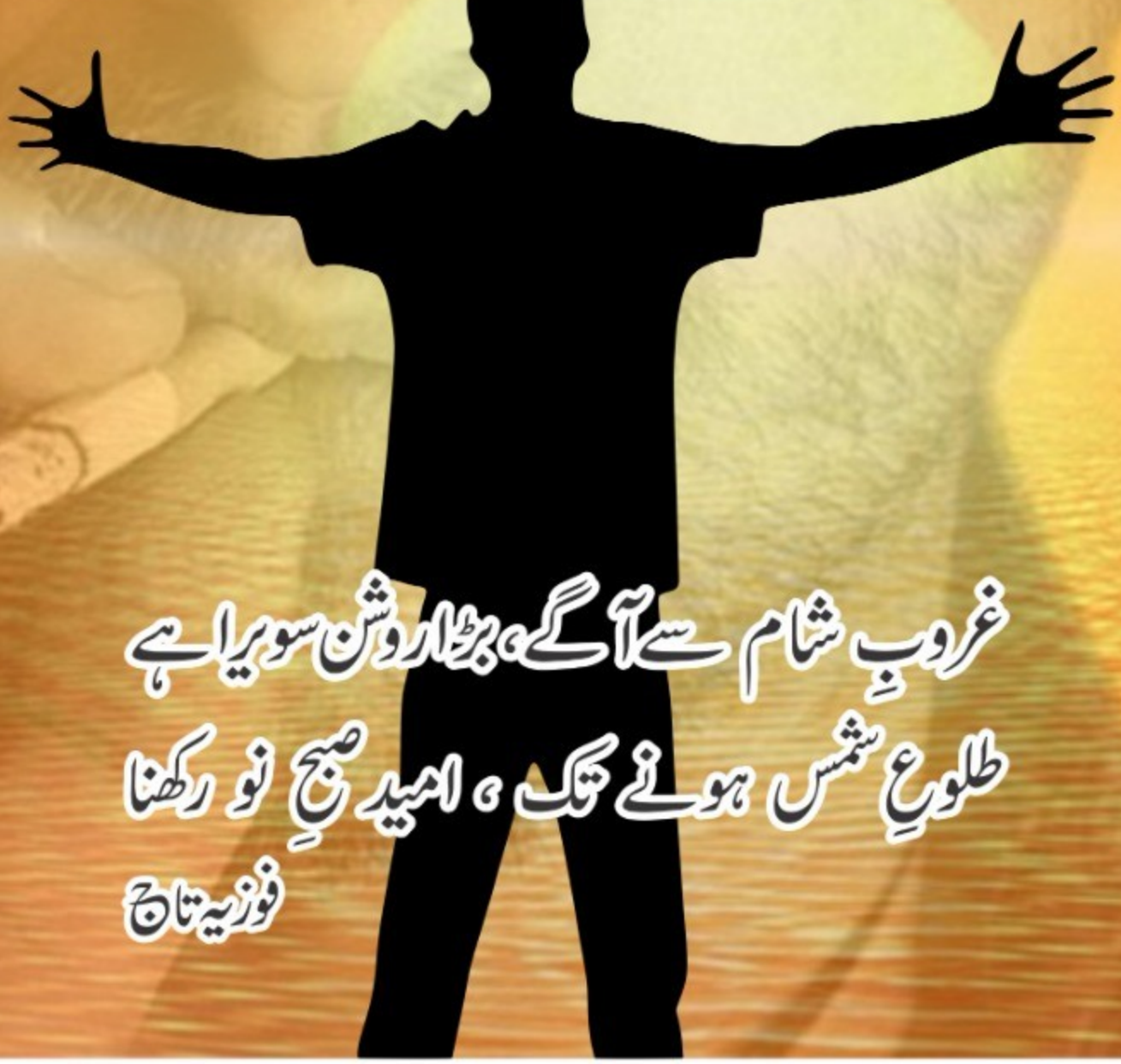

غروبِ شام سے آگے، بڑا روشن سویرا ہے
طلوعِ شمس ہونے تک، امیدِ صبحِ نو رکھنا

فوزیہ تاج

يا أيها الناس، ارْبَعُوا على أنفسكم

اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کھاؤ

اُمیدِ صبحِ نو

فوزیہ تاج

انتساب

- ان افسردہ خاندانوں کے نام جن کے اپنے، اس زہریلے دھوئیں کا شکار ہو گئے۔

- ان فلاحی تنظیموں اور Rehabilitation centres کے نام جو کسی بھی قسم کے نشے میں مبتلا افراد کو زندگی کی طرف واپس لاتے ہیں۔

پیام انبساط

تمباکونوشی معاشرے میں ایک قابل قبول فعل ہے، اس کے نقصانات کے بارے میں لوگوں میں جزوی آگاہی پائی جاتی ہے جو کہ ناکافی ہے اس لئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمباکونوش افراد میں اضافہ دیکھا گیا ہے جس میں زیادہ تر تعداد نوجوانوں کی ہے۔ تمباکونوشی کی پرانی اقسام کے ساتھ ساتھ نت نئی مصنوعات جیسے کہ نکوٹین پاوچز، الیکٹرانک سگریٹ اور ویپنگ کا استعمال جہاں بیماریوں میں اضافے کا باعث بن رہے ہیں وہیں شرح اموات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ ماہرین کے مطابق تمباکو اور اس سے بننے والی مصنوعات ماحولیات کی آلودگی، زرعی اجناس کی کمی، جنگلات کی کٹائی، زیر زمین اور قابل استعمال پانی کے آلودہ ہونے کا باعث بھی ہے۔ تمباکو سے ہونے والی آمدنی جہاں بجٹ میں ٹیکسوں کی صورت میں ایک حصہ اضافہ کرتی ہے تو وہیں پر 6.6 حصے تک نقصان کا باعث بنتی ہے۔

اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ضروری اور موثر قانونی سازی کے ساتھ ساتھ عوام میں آگاہی پیدا کی جائے۔ اس سلسلے میں محکمہ صحت، ضلعی انتظامیہ کے ساتھ ساتھ سرکاری اور نجی ادارے (آغاز ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن، بلیو ویونز، تاجر اور صحافی برادری، اور ٹرانسپورٹ کی تنظیمیں) کما حقہ اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ضلعی انتظامیہ کی زیر نگرانی مختلف آگاہی پروگرام، تربیتی سیشن اور قانون کی عملداری کیلئے پبلک مقامات اور پبلک ٹرانسپورٹ میں چھاپے بھی عمل میں لائے گئے ہیں۔ تمباکو اور نکوٹین مصنوعات سے بچوں اور نوجوانوں کو بچانے کیلئے تعلیمی اداروں اور ان کے اردگرد 50 میٹر کی حدود میں تمباکو مصنوعات کی فروخت اور استعمال پر سختی سے پابندی کو یقینی بنایا گیا ہے۔

صوبائی سطح پر قانون سازی کے عمل کو تیز کیا گیا اور تمباکو مصنوعات بیچنے والوں کو قانون کے تابع کرنے کیلئے باقاعدہ لائسنس دینے کیلئے بھی اقدامات کئے گئے۔ نتیجتاً پشاور اور ایبٹ آباد کو ٹوبیکو فری ضلعوں کا درجہ دیا گیا۔ ہم محترمہ فوزیہ تاج صاحبہ کی اس کوشش کو سراہتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ان کی یہ کتاب ہوا کے تازہ جھونکے کی طرح تمباکو نوشی سے سسکتی انسانیت کیلئے مداوا اور مسیحائی کا کام کرے گی۔

سیدہ زینب نقوی
اسسٹنٹ کمشنر افوکل پرسن برائے ٹوبیکو کنٹرول
ضلعی انتظامیہ پشاور

محمد اجمل شاہ
پراجیکٹ کوراڈینیٹر
ٹوبیکو کنٹرول سیل محکمہ صحت خیبر پختونخواہ

دھوئیں میں لپٹا سچ

تمباکو نوشی دنیا بھر میں اموات کی ایک بڑی وجہ بنتی جارہی ہے۔ عالمی ادارہ صحت کی حالیہ رپورٹ کے مطابق ہر سال تقریباً 80 لاکھ افراد تمباکو نوشی سے منسلک بیماریوں کی وجہ سے جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ پاکستان میں بھی تمباکو نوشی ایک سنگین مسئلہ ہے جہاں نوجوان نسل میں سگریٹ، شیشہ، ای سگریٹ، ویپ، نکوٹین پاؤچز اور دیگر جدید ذرائع سے تمباکو کی لت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ نئی اقسام خصوصاً بچوں اور نوعمر افراد کو تیزی سے اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں جو آنے والے وقت میں صحت عامہ کیلئے ایک شدید خطرہ ہے۔

ضلع پشاور بطور پائلٹ پراجیکٹ۔

صوبہ خیبر پختونخواہ میں انسداد تمباکو نوشی کے جامع منصوبے کا آغاز ضلع پشاور سے کیا گیا، اس سلسلے میں ڈپٹی کمشنر پشاور کی زیر نگرانی ضلعی نگران اور عمل درآمد کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تمام متعلقہ محکمہ جات کے باہمی تعاون سے پبلک مقامات اور پبلک ٹرانسپورٹ میں قوانین کے نفاذ کو یقینی بنایا گیا۔ ضلعی انتظامیہ نے باقاعدہ ڈسٹرکٹ فوکل پرسن مقرر کر کے اسے پراجیکٹ کوارڈینیٹر کے ساتھ مل کر مربوط حکمت عملی کے تحت کام کا ٹاسک دیا گیا۔

ضلع پشاور میں بطور ڈسٹرکٹ فوکل پرسن برائے تمباکو کنٹرول، محکمہ صحت کے پراجیکٹ کوارڈینیٹر محمد اجمل شاہ صاحب کے ساتھ مل کر ہم نے مربوط اقدامات کئے، ہم نے تعلیمی اداروں کے اردگرد پچاس میٹر کی حدود میں تمباکو مصنوعات کی فروخت پر سختی سے پابندی عائد کی اور خلاف ورزی پر تمباکو مصنوعات ضبط کیں، شیشہ کیفے بند کئے گئے، آگاہی سیشنز کا انعقاد کیا گیا اور عوامی مقامات پر تمباکو نوشی کے خلاف عملی اقدام اٹھایا گیا، یہ صرف ایک قانونی کاروائی نہ تھی بلکہ ایک ایسی اجتماعی کوشش تھی جو نوجوان نسل کو محفوظ بنانے کے خلوص نیت پر مبنی تھی۔ جس کے نتیجے میں عالمی ادارہ صحت کے فریم

ورک کی روشنی میں ضلع پشاور کو ٹو بیکو سموک فری ضلع قرار دیا گیا۔ ضلعی انتظامیہ ایبٹ آباد نے ان اقدامات کو نافذ کر کے ضلع ایبٹ آباد کو بھی ٹو بیکو سموک فری ضلع قرار دیا، ان اقدامات کا بنیادی مقصد صرف قانون پر عمل درآمد نہیں تھا بلکہ ایک صحت مند، باشعور اور تمباکو سے پاک معاشرے کی تشکیل تھا جہاں ہر فرد کو ایک محفوظ ماحول میسر ہو، یہ صرف ضابطے کی بات نہ تھی بلکہ یہ ایک مشن تھا۔ زندگی سے محبت، صحت کی اہمیت اور مستقبل کے معماروں کو دھوئیں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کا مشن۔

سیدہ زینب نقوی

اسسٹنٹ کمشنر / ڈسٹرکٹ فوکل پرسن برائے ٹو بیکو کنٹرول

ضلع پشاور

دیباچہ

کتاب ''امیدِ صبحِ نو'' ایسی کہانیوں اور نظموں کا مجموعہ ہے جن کا سرا ان لوگوں سے جا ملتا ہے جو سگریٹ نوشی یا اور کسی بھی قسم کے نشے میں مبتلا ہو کر اپنی زندگی کو روگ لگا لیتے ہیں۔ اس کتاب کو لکھا تو بے شک میں نے ہے لیکن لکھوانے کا سہرا، اجمل شاہ صاحب (پراجیکٹ کوارڈینیٹر) ٹوبیکو کنٹرول سیل، سیدہ زینب نقوی (اسسٹنٹ کمشنر پشاور) کو جاتا ہے جبکہ ہری پور کی سطح پر محترمہ ساجدہ ملک (ڈائریکٹر آغاز ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن) اور جاوید خان جدون (سیکرٹری ہری پور پریس کلب) کی کوششیں بھی قابلِ ستائش ہیں۔

جب زندگی کی پہلی کہانی لکھی تو اس وقت میری عمر دس سال تھی۔ پھول، تتلی، چاند، ستارے، زمین و آسمان اور اس موجود چرند پرند سے ہوتی ہوئی میری کہانیاں شہزادے، شہزادیوں اور پرستان کی پریوں تک جا پہنچیں۔ وہاں تک زندگی بے حد خوبصورت تھی، پھر وقت نے کروٹ لی۔ خیالی و افسانوی دنیا سے نکل کر عملی زندگی میں قدم رکھا تو شدت سے احساس ہوا کہ زندگی کا اصل چہرہ اگر بدصورت نہیں بھی تو حضرتِ انسان نے اسے اپنے قبیح اعمال سے مسخ کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں کی ناقدری کرنے والا اور خود سر ہے جو حاصل ہو جانے والی چیزوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے لا حاصل کی جستجو میں گلہ مند رہتا ہے نتیجتاً گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اس نتیجے پر پہنچنے میں مجھے کچھ زیادہ وقت نہ لگا کیونکہ پہلے پہل وکالت کے تجربات اور پھر جیل سروس کے دوران میں نے اونچی اونچی مضبوط دیواروں اور آہنی گیٹوں کے درمیان سسکتی کراہتی زندگی کے نئے رنگ ڈھنگ دیکھے۔

جیل میں پابندِ سلاسل عوام میں سے اکثریت جیل کی چار دیواری میں محبوس ہونے کے

بجائے سگریٹ نوشی کی لت میں گرفتار نظر آئی۔ مرد عورت، جوان بوڑھے، لڑکے لڑکیاں، کم وبیش ہر عمر کے افراد سگرٹ نوشی سے لے کر ہیروئین اور چرس پاؤڈر کے کاروبار میں ملوث ومقید نظر آئے اور ان میں سے اکثر کاروبار کرتے کرتے خود بھی اس لت کا شکار ہو گئے جنھیں جیل کے اندر ہی موجود detoxification centers میں برائے علاج معالجہ داخل کر دیا جاتا۔

کئی لوگوں کو نشہ نہ ملنے پہ روتے چلاتے اور تڑپتے دیکھا اور بالآخر ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دیتے ہوئے بھی۔ وقتی طور پر ان لوگوں سے ہمدردی محسوس ہوتی اور نشے کے سوداگروں سے شدید نفرت ہونے لگتی لیکن رفتہ رفتہ یہ عُقدہ کھلتا چلا گیا کہ نشہ باز آپ ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں جب وہ بتاتے کہ زندگی میں درپیش مسائل اور دکھ درد کو بھلا دینے کے لیے وہ نشہ کرتے ہیں۔ کئی لوگوں کو سمجھا بجھا کے راہ راست پہ لانے کی کوشش کی کہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے کیا خطرہ ٹل جائے گا مگر نشہ باز عقل وشعور سے مکمل طور پر بے بہرہ ہو جاتے ہیں اور نشے کے حصول کے لئے کسی بھی جائز ناجائز حد تک جا سکتے ہیں۔

قصہ مختصر، جرم وسزا کی چکی میں پستے ان لوگوں کی اصلاح اور نو آبادی کے لئے ملکی و بین الاقوامی تنظیموں نے اپنی اپنی فیلڈ میں کام کرنا شروع کیا۔ ایسے میں مذکورہ بالا شخصیات، اپنے اپنے اداروں کے توسط سے کسی مسیحا کی طرح سامنے آئیں اور تمباکو نوشی سمیت دیگر تمام نشہ آور اشیاء مثلاً نسوار، چرس، پاؤڈر، ہیروئین، آئس، نکوٹن، سگریٹ، الیکٹرونک سگریٹ اور شیشہ وغیرہ کے استعمال کے خلاف باضابطہ مہم کا آغاز کیا اور ان کے مضر اثرات سے بچاؤ کے لئے آگاہی مہم شروع کی۔ اس سلسلے میں انھوں نے سکول، کالج، یونیورسٹی، سرکاری اداروں میں سیمینار اور ورکشاپس وغیرہ کا انعقاد کیا۔ ان کی بے لوث خدمت اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے کی گئی ان کی کاوشیں اپنی مثال آپ ہیں اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ جس ایمانداری، محنت اور لگن سے یہ سب ادارے

انسدادِ منشیات وتمباکو نوشی کے لیے کام کر رہے ہیں اسکی مثال نہیں ملتی۔اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے وہ بھی ان کی اسی مہم کا ایک حصہ ہے۔

میں اسوقت چونکہ بحیثیت (اے آئی جی پرزنز) تعینات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک لکھاری بھی ہوں،لہٰذا جب اجمل صاحب نے مجھ سے رابطہ کیا کہ وہ کافی عرصے سے نشہ آور اشیاء کے بارے میں آگاہی اور سگریٹ نوشی کے تدارک کے موضوع پہ کوئی ایسی کتاب لکھوانا چاہ رہے ہیں جسے وہ اپنے نصاب میں شامل کرسکیں۔میرے لئے یہ بہت اعزاز کی بات تھی لہٰذا میں نے اس کام کا بیڑا اٹھا لیا۔اگر میں صرف ایک لکھاری ہوتی تو شاید تتلی، رنگ اور خوشبو کی دنیا سے نکل کر سگریٹ کے دھوئیں میں سرایت کر جانا اتنا آسان نہ ہوتا لیکن میرے بیس سالہ جیل سروس نے مجھے بہت سے تجربات ومشاہدات سے روشناس کروایا۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب منشیات وتمباکو نوشی کے خاتمے کیلئے کام کرنے والی تنظیموں سے لے کر طالب علموں اور والدین کیلئے بھی مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔تاریکی جتنی بھی زیادہ ہو جائے،امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اور وہ لوگ جو سگریٹ نوشی یا کسی بھی قسم کے نشے کے عادی ہو گئے ہیں انھیں بھی حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے بلکہ امید رکھنی چاہیے کہ ابھی بھی دیر نہیں ہوئی وہ سگریٹ نوشی یا نشہ آور اشیاء کی عادت کو ترک کر سکتے ہیں بس ذرا سی حکمتِ عملی اور ثابت قدمی کی ضرورت ہے پھر دھند اور دھوئیں سے بھری شاہراہ زندگی کے بجائے ایک روشن اور چمکدار ''صبحِ امید'' ان کی منتظر ہے۔

فوزیہ تاج

فہرست

نمبر شمار	دیباچہ	نمبر شمار
۱۔	مدبرانہ سوچ کی علمبردار فوزیہ تاج	۱
۲۔	صبح امید (نظم)	۴
۳۔	تمباکو نوشی کے مضر اثرات اور اس سے بچاؤ کے طریقے	۶
۴۔	غیر فعال تمباکو نوشی	۱۱
۵۔	صحت مند بچے کی نصیحت (نظم)	۱۴
۷۔	روشن سویرا	۱۵
۸۔	آخری سگریٹ (حصہ اوّل)	۱۸
۹۔	آخری سگریٹ (حصہ دوئم)	۲۳
۱۰۔	راکھ (نظم)	۲۸
۱۱۔	تاریک راستے	۲۹
۱۲۔	غزل	۳۴
۱۳۔	آخری پھیرا	۳۶
۱۴۔	قبرستان میں زندہ لاشیں	۴۱
۱۶۔	سگریٹ نامہ (حصہ اول)	۴۴
۱۷۔	سگریٹ نامہ (حصہ دوئم)	۴۹

مدبرانہ فکر کی علمبردار فوزیہ تاج

جستہ جستہ تکنیکی دنیا اور مصنوعی ذہانت کے وفور پر مبنی دور میں جہاں انسان ارتقا کی سیڑھیاں چڑھنے میں سرخرو ہو رہا ہے وہیں کچھ ایسے مسائل آج بھی توجہ کے طلب گار نظر آتے ہیں جن کی تذکیر ہر انسان کے ذہن میں گردشِ استقلال کی پابند ہے۔ جہاں نشہ آور اشیاء کے متعلق معلومات اور ان سے گریز کرنے کی ہدایات بچوں، نوجوانوں اور والدین کو ہمہ وقت درکار ہیں وہیں معاشرے کا مستقبل اسی طرح اکملیت کی جانب گامزن ہوسکتا ہے جب آنے والی نسلیں اس موضوع کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ فوزیہ تاج صاحبہ متعدد کتابوں کی مصنف ہیں اور ایک ایسے سرکاری عہدے پر براجمان ہیں جس کا تعلق معاشرے کی فلاح و مستقبل سے ہے۔ ان کی تحریروں اور ان کی کاوشوں کے بارے ان کے مفاہیم و مطالب ان کی نیک خواہشات اور سماجی تفکرات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ فوزیہ تاج صاحبہ کی خوبی ہے کہ وہ فطری ٹیڑھ اور سماجی استحکام کی تشہیر کے حوالے سے ہمیشہ سے ایک مثبت رویہ رکھتی ہیں۔ ان کی تحریروں کو پڑھا جائے تو ایک منفرد اسلوب کی حامل لکھاری اپنے ہونے کا پر اعتماد اعلان کرتی نظر آتی ہیں۔ فوزیہ تاج صاحبہ کی یہ کتاب "صبحِ امید" ان کے مفکر و مدبر ہونے کا استشہاد پیش کرتی ہے جس میں انھوں نے معاشرے میں موجود نشہ آور اشیاء خاص کر سگریٹ نوشی اور تمباکو کے مضر اثرات کا احاطہ کیا ہے۔ منشیات کے موضوع پر مبنی چند نظموں اور کہانیوں پر مشتمل یہ کتاب بچوں کی پرورش، نوجوانوں کی تربیت اور والدین و اساتذہ کی راہنمائی میں

عمیق کردار ادا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ان کی تحریروں اور نظموں کا اسلوب متساہل ہونے کے بجائے پختہ وسر معاشرے میں موجود نشہ آور اشیاء کے نقصانات کا احاطہ کرتا ہے۔سہل اندازِ بیان اور غیر متشدد رویہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دیانتی سے معاشرے میں موجود مضر صحت اشیاء کے خلاف مہم سازی کو اپنا وطیرہ سمجھتی ہیں۔"صبحِ امید" نہ صرف بچوں بلکہ نوجوانوں کے لیے بھی ایک ایسا ہدایت نامہ جس کا بیانیہ غیر معمولی اور اثر انگیز ہے۔نظم اور کہانیوں کے انداز میں انھوں نے بڑے بہترین طرق سے اس سنگین مسئلے کو اپنے قلم سے معدوم کرنے کا عزم کیا۔فوزیہ تاج صاحبہ نے اس پوری کتاب میں یہ اثبات فراہم کیے کہ معاشرے میں شعوری ترقی کو تقویت بخشنے کے دورانِ عمل سب سے بڑی رکاوٹ نشہ آور اشیاء کا اشتداد معلوم دیتا ہے۔اس کتاب کے خصائص میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا کہ ہر تحریر بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کے ذہنی دروا کر دینے میں ذرا تردد و دشواری کا سامنا نہیں کرتی۔"**غیر فعال تمباکو نوشی**" کو پڑھنے پر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے تمباکو نوشی کے خلاف جیسے اپنا احتجاج پیش کیا۔اسی طرح روشن سویرا اور "**آخری پھیرا**" پڑھ کر ادارک ہوتا ہے کہ فوزیہ تاج صاحبہ کا قلم طمطراقی انداز میں غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح پیش کرنے میں کہیں دقت محسوس نہیں کرتا۔بلکہ ان تحریروں کو پڑھ کر ان کی ذہنی بلوغت کا اندازہ بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے۔" **آخری سگریٹ**"اور"**تاریک راستے**"اور"**قبرستان میں زندہ لاشیں**" جیسی تحریریں ان کی کتاب میں کلیدی کردار ادا کرنے کے ساتھ عام وخاص کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔خاص طور پر"سگریٹ نامہ"جو کہ سگریٹ کی آپ بیتی کے انداز میں لکھا ہے وہ ذمہ دار مافیہ کے ضمیر کو جھنجھوڑنے میں کلیدی کردار ادا کرسکتا ہے۔

فوزیہ تاج صاحبہ کے فنی و تکنیکی محاسن کو ڈھنگ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے ان کی توضیحات وتصریحات مخاطب کے دل و دماغ پر اپنے نقش چھوڑ دیتی ہوں گی جس سے شعوری

ارتقاء کا سلسلہ تواتر انفرادی و اجتماعی سطح پر جاری ہوسکتا ہے۔ الغرض میں مضمون کو اختصار کی نظر کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی ضرور کروں گا کہ نشہ آور اشیاء خاص کر تمباکو کا استعمال آج ہمارے معاشرے میں نہ صرف انفراد کی صحت کو نقائص سے بھرتا ہے بلکہ آلودگی کے مسائل میں اضافے کا سبب بھی بنتا ہے۔ فوزیہ تاج ایک موقر کی حیثیت سے تعمق و تعلیل کو استقرار بخشتے ہوئے اپنے قلم کی طاقت سے صحیح اور غلط کی افتراقیت پیدا کرنے میں کوشاں ہیں اور نشہ آور اشیاء کے خلاف مستقل جہاد میں مصروف ہیں۔ میں طمانیت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں فوزیہ تاج صاحبہ کی کتاب ''صبحِ امید'' معاشرے کے ہر فرد کو پڑھنی چاہیے۔ اس کتاب سے نہ صرف ادبی وفنی محاسن سیکھنے کا ہنر آتا ہے بلکہ معاشرے میں مخفیات کی صورت پلنے والے مسائل کو اجاگر کرنے کا ڈھنگ بھی سیکھا جاسکتا ہے۔ فوزیہ تاج صاحبہ کا معاشرتی وسماجی نشوونما کے حوالے سے غیر معمولی انداز کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

''اُمیدِ صبحِ نو'' ایک ایسا ادب پارہ ہے جو نہ صرف اردو ادب بلکہ نصابی کتاب کی حیثیت سے متعارف ہونا چاہیے تاکہ نسل نو صبحِ امید کی اہمیت پر توجہ دینا التزامیت قرار دے۔

حمزہ ابن وصی، نثر نگار، محقق کراچی

صبح امید۔۔۔۔۔۔

مالک دو جہاں۔۔۔۔!
گھپ اندھیرے میں رستہ سجھائی نہ دے
رنج وغم میں ہی ڈوبا ہے سارا جہاں
سارے عالم میں تجھ سا دکھائی نہ دے
مشکلوں سے الجھتے رہے ہر گھڑی
کس کو آواز دیں بس پکاریں تجھے
تو ہی ان کو نکالے گا پاتال سے
وحشت دل سے گھبرا کے جب بھی کوئی
راہ بھٹکے یا مایوس ہونے چلے
گنجلک راستے۔۔۔۔منزلیں لاپتہ
تو ہی کشتی کو ان کی، کنارے لگا
رات کالی ہے، سر پہ ہے چھائی گھٹا
کملی والا شفاعت کا وعدہ کرے
تب کہیں ابر رحمت برس پائے گی
مجھ گناہ گار کو، اس خطا کار کو

بس گناہوں کی دلدل سے تو ہی بچا

میں خطا کار ہوں۔۔۔سیدھا رستہ دکھا

مالک دو جہاں۔۔۔!

تو کچھ ایسا ہنر، کر دے مجھ کو عطاء

راہ سے بھٹکے ہوؤں کو دکھاؤں میں راہ

میں اندھیرے میں بن جاؤں روشن دیا۔۔!!

فوزیہ تاج

سگریٹ نوشی کے مضر اثرات اور اس سے بچاؤ کے طریقے

دورِ حاضر میں تمباکو نوشی کے بہت سے جدید ذرائع بھی ہیں اور اگر ہم اپنی آنے والی نسلوں کو اس سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنی اس آگاہی مہم کا حصہ بنانا ہوگا۔ تو آئیے ہم سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ سگریٹ نوش درجہ بندی کے لحاظ سے کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور روزمرہ زندگی میں ان پہ اور ان کے اردگرد رہنے والوں پہ اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

سگریٹ نوش اور ان کی درجہ بندی

سگریٹ بنیادی طور پر زہریلے کیمیکلز کا مرکب ہے۔ جو تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ سگریٹ نوشوں کی درجہ بندی کے متعلق جاننا بھی ضروری ہے کہ کون سے درجے کا سگریٹ نوش کتنا نقصان اٹھاتا ہے اور اسکی صحت کن خطرات سے دوچار ہوتی ہے۔

1) درجہ اول

اس درجے میں وہ لوگ آتے ہیں جو بذات خود سگریٹ نوشی کرتے ہیں اور سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

2) درجہ دوئم

اس درجے میں وہ لوگ آتے ہیں جو خود تو سگریٹ نوش نہیں ہوتے مگر ان کے اردگرد ایسے لوگ

ہوتے ہیں جو سگریٹ نوش ہوتے ہیں۔یعنی وہ سگریٹ کے دھوئیں میں سانس لے رہے ہوتے ہیں. اس کو سیکنڈ ہینڈ سموکنگ یا پیسو سموکنگ کہا جاتا ہے۔سموکنگ کرنے والے شخص کے قریب رہنے کی وجہ سے تمباکو کا دھواں ان کی سانس میں شامل ہو جاتا ہے اور یوں ان کی صحت بھی متاثر ہو جاتی ہے۔

3) درجہ سوئم

اس درجے میں وہ لوگ آتے ہیں جو نہ خود سگریٹ پیتے ہیں. نہ ہی سگریٹ کے دھوئیں میں سانس لیتے ہیں لیکن وہ ان ذرات سے متاثر ہو جاتے ہیں جو سگریٹ کے دھوئیں سے اڑ کر کسی بھی کمرے کے پردوں، دیواروں، دروازوں، دروازوں کے ہینڈل یا کسی بھی اور چیز پہ رہ جاتے ہیں. یعنی وہ باقیات جس میں زہریلے کیمیکلز شامل ہوتے ہیں، جو لباس اور ارد گرد کی اشیاء پہ چپک جاتے ہیں اور جب کوئی بھی شخص انھیں ہاتھ لگاتا ہے تو وہ ان پہ لگے ان دیکھے ذرات بھی ہاتھوں پر لگا بیٹھتا ہے اور یوں وہ تیسرے درجے کے تمباکو نوشوں کی فہرست میں آجاتا ہے. اسے تھرڈ ہینڈ سموکنگ کہا جاتا ہے۔

سگریٹ نوشی کے مضر اثرات

سگریٹ نوشی کے مجموعی اثرات پورے جسم پہ پڑتے ہیں- یہ سلو پوائزن ہے جو دھیرے دھیرے اثر کرتی ہے اور پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

۱۔ تمباکو نوشی سے خون کی نالیاں سکڑ جاتی ہیں، بلڈ پریشر زیادہ ہو جاتا ہے اور ہارٹ اٹیک ہو سکتا ہے۔

۲۔ جگر کی بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔

۳۔ دانت اور مسوڑھے خراب ہو جاتے ہیں۔

۴۔ پھیپھڑوں کی بیماریاں خاص طور پر پھیپھڑوں کا کینسر ہو سکتا ہے۔

۵۔ اعصابی نظام کمزور ہو جاتا ہے کیونکہ تمباکو میں زہریلے کیمیکلز کے علاوہ نکوٹن پایا جاتا ہے جو شروع میں دماغ کو سکون دیتا ہے اور سگریٹ نوش سمجھتا ہے کہ اسے ذہنی سکون مل رہا ہے لیکن جیسے ہی اس کا اثر ختم ہوتا ہے، وہ تھکاوٹ اور بے چینی محسوس کرتا ہے۔

۶۔ عادی سگریٹ نوش کو سگریٹ نہ ملنے پہ بے چینی، تھکاوٹ، ڈپریشن، سر درد اور نیند کے مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۷۔ سگریٹ نوشی سے جلدی مسائل جنم لیتے ہیں- بالوں کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں اور گنج پن کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

۸۔ سگریٹ نوش کی بینائی متاثر ہوتی ہے اور آنکھوں کی دیگر بیماریاں بھی لاحق ہو سکتی ہیں۔

۹۔ تمباکو کے استعمال سے دانت بری طرح متاثر ہوتے ہیں اور سگریٹ نوش کو دانتوں کی مختلف بیماریاں بھی لاحق ہو جاتی ہیں۔

۱۰۔ سگریٹ نوشی سے دمہ، السر، سانس کی بیماریاں، گھبراہٹ، ذائقہ اور سونگھنے کی حس بھی متاثر ہوتی ہے۔

۱۱۔ مدافعتی نظام کمزور ہو جاتا ہے اور آکسیڈیٹو سٹریس میں اضافہ ہوتا ہے- جسم اندرونی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

درجہ بندی کے لحاظ سے سگریٹ نوشی کے نتیجے میں متوقع نقصانات کا خطرہ بھی بتدریج کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پہ ڈائریکٹ سگریٹ نوش کو درجہ سوئم میں آنے والے افراد سے زیادہ اور فوری خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

سماجی ومعاشرتی زندگی پہ سگریٹ نوشی کے اثرات

سگریٹ نوش کی نہ صرف جسمانی و دماغی صحت متاثر ہوتی ہے بلکہ اسکی ذاتی، سماجی ومعاشرتی زندگی پہ بھی اس کے اثرات مرتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

۱۔ سگریٹ نوش تنہائی پسند ہو جاتا ہے اور وہ ان محفلوں سے اجتناب کرنا شروع کر دیتا ہے جہاں سگریٹ پینے کی اجازت نہ ہو۔

۲۔ معاشرے کا وہ طبقہ جو سگریٹ نوشی کو برا سمجھتا ہے، وہاں سگریٹ نوش کو غیر ذمہ دار اور بیمار سمجھا جاتا ہے۔

۳۔ وہ عزیز رشتہ دار، دوست اور گھر والے جو سگریٹ نوشی سے گریز کرتے ہیں۔ان کا سگریٹ نوش کے ساتھ اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔

۴۔ سگریٹ نوش کی مالی حالت خراب ہو جاتی ہے۔

۵۔ سگریٹ نوشی کی وجہ سے جب جسمانی و ذہنی صحت تباہ ہو جاتی ہے تو سگریٹ نوش گھریلو اور معاشرتی تہوار و تقاریب سے کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کر دیتا ہے۔

۶۔ سگریٹ نوشی کو ناپسند کرنے والے لوگ، سگریٹ نوش کو بھی ناپسند کرتے ہیں اور اسکی محفل سے دور بھاگتے ہیں۔ یوں اس کا شمار معاشرے کے ناپسندیدہ افراد کی فہرست میں ہونے لگتا ہے۔

سگریٹ کے علاوہ تمباکو نوشی کے ذرائع

سگریٹ کے علاوہ تمباکو نوشی کے دوسرے ذرائع بھی اسی طرح اور بعض اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں- ان میں نسوار، پان، بیڑی، گٹکا، ویپ، شیشہ، نکوٹن پاؤچ اور ای-سگریٹ شامل ہیں- لہٰذا ان سب سے ہی اجتناب کرنا چاہیے- بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تمباکو نوشی کی جدید اشیاء سگریٹ سے بھی کئی گنا زیادہ نقصان دہ ہیں تو بے جا نہ ہوگا لیکن نوجوان نسل میں ان اشیاء کا استعمال سٹیٹس سمبل بن گیا ہے اور اس رجحان پر قابو پانے کے لئے پورے معاشرے کو ہیلتھ ڈپارٹمنٹ اور ٹوبیکو کنٹرول سیل کے ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا۔

سگریٹ نوشی ترک کرنے کا طریقہ

تاحال کوئی ایسا سائنٹفک طریقہ یا مروجہ اصول سامنے نہیں آسکا جس کی پیروی کر کے تمباکو نوشی سے مکمل طور پہ نجات حاصل کی جاسکے- تاہم کچھ ادویات کے استعمال کے ساتھ ساتھ کونسلنگ اور سب سے بڑھ کر مضبوط قوت ارادی ہی وہ سب سے اہم تکنیک ہے جس کی وجہ سے عادی تمباکو نوش اس عادت سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔

معاشرے سے تمباکو نوشی کا سدباب

انفرادی طور پہ سگریٹ نوش کی ذاتی کاوش کے ساتھ ساتھ معاشرتی طور پر بھی بہت سے اقدامات کی ضرورت ہے جس میں سرفہرست حکومت کے اعلیٰ عہدیداران، ہیلتھ ڈپارٹمنٹ، ٹوبیکو کنٹرول سیل کی مشترکہ کاوشیں، مختلف اداروں کا اس ضمن میں باہمی تعاون ضروری ہے، علاوہ ازیں، ٹوبیکو انڈسٹری پہ پابندی نافذ کی جائے، تب ہی معاشرے سے تمباکو جیسے ناسور کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

غیر فعال تمباکو نوشی

شہریار اور مرسلین لاؤنج میں داخل ہوئے۔ وہاں ان کے انکل بیٹھے تھے جو کچھ دیر قبل ہی دوسرے شہر سے آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا بابر بھی تھا۔ وہ بابر اور انکل کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے پھر انکل کو سلام کر کے ادھر ان کے پاس ہی قالین پہ بیٹھ کے لڈو کھیلنے لگے۔ انکل ان کے والد کے انتظار میں خاموشی سے بیٹھے بچوں کا کھیل دیکھتے رہے پھر کچھ دیر بعد جیب میں ہاتھ ڈالا اور سگریٹ کی ڈبیا نکال لی۔ اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگا لیا اور کسی گہری سوچ میں گم سگریٹ پینے لگے۔ جیسے جیسے ان کی انگلیوں میں دبی سگریٹ جلتی گئی ساتھ ساتھ وہ راکھ ہوتے شعلے کو قریب رکھی پلیٹ میں جھاڑتے جاتے کیوں کہ ارد گرد ڈھونڈنے کے باوجود انھیں ایش ٹرے دکھائی نہ دی۔ (لگتا ہے یہاں کوئی سگریٹ نہیں پیتا۔۔۔ انھوں نے سوچا) تینوں بچے پاس ہی کھیل میں مگن تھے۔ پہلے پہل تو کھیل میں محو ہونے کی وجہ سے انھیں اندازہ نہ ہوا لیکن کمرہ بند ہونے کی وجہ سے کمرے میں سگریٹ کا دھواں اور ناگوار سی بدبو جمع ہوگئی۔ بابر تو خاموشی سے کھیلتا رہا لیکن شہریار اور مرسلین ایک دم کھیل چھوڑ کے اٹھ گئے۔ چلو چلو۔۔۔ ساتھ والے کمرے میں چل کے کھیلتے ہیں۔

بابر : مگر کیوں۔۔۔؟ ادھر بیٹھنے میں کیا حرج ہے۔۔۔؟

شہریار اور مرسلین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دراصل ادھر تمہارے بابا سگریٹ پی رہے ہیں۔ کمرے میں سگریٹ کا دھواں اور بدبو پھیلی ہے اور یہ ہم سب کی صحت کیلئے مناسب نہیں ہے۔

بابر: تم لوگ کیسی باتیں کر رہے ہو سگریٹ تو بابا پی رہے ہیں نا اس سے ہماری صحت پہ کیا فرق پڑتا ہے۔

مرسلین : بے شک وہی پی رہے ہیں لیکن سگریٹ نوشی کرنے والے کے ارد گرد بیٹھے لوگ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

بابر :ایسا کس طرح ہوسکتا ہے؟

شہریار :ایسا ہی ہوتا ہے، اگر ہم کسی ایسے شخص کے ساتھ رہ رہے ہیں یا اس کی صحبت میں بیٹھتے ہیں جو سگریٹ نوشی کرتا ہے تو ہم بھی انہی بیماریوں کا شکار ہو سکتے ہیں جو سگریٹ نوشی کے نتیجے میں اس شخص کو ہو سکتی ہیں۔

بابر: مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ سگریٹ ایک بندہ پی رہا ہو اور بیماریاں اس کے ارد گرد بیٹھے بندوں کو بھی لگ جائیں اور ایسی کون سی بیماریاں ہیں جو سگریٹ نوشی کے نتیجے میں واقع ہوتی ہیں۔

مرسلین : پھیپھڑوں کا کینسر، دمہ، گنگرین اور لاتعداد بیماریاں ہیں جو سگریٹ نوشی کے نتیجے میں انسان کو لگ سکتی ہیں۔

بابر :یہ تو انتہائی خطرناک بات ہے۔۔۔(بابر ارد گرد دیکھتے ہوئے تشویش ناک انداز میں بولا) مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ سب تمھیں کس نے بتایا ہے۔

شہریار :ہم دونوں کچھ روز قبل اپنی آپی کے ساتھ "ٹوبیکو کنٹرول سیل" کی طرف سے منعقد کردہ ایک سیمینار میں گئے تھے وہیں سے یہ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

بابر : کیا سگریٹ کا عادی شخص سگریٹ چھوڑنا چاہے تو چھوڑ سکتا ہے۔؟ بابر نے پرسوچ انداز میں ان دونوں سے سوال کیا۔

(سوال مرسلین اور شہریار سے قبل، ان کی نرمین آپی نے اچک لیا، جو ٹوبیکو کنٹرول سیل کے ساتھ مل کے کام کرتی تھیں اور ہر وقت مختلف ورکشاپس اور سیمینار منعقد کرواتی رہتی تھیں۔جس میں سگریٹ نوشی سے ہونے والے نقصانات اور تدارک کے لئے کی گئی کوششوں پہ سیر حاصل تبصرہ کیا جاتا تھا۔)

نرمین آپی :جی جی، بالکل چھوڑ سکتا ہے لیکن اسکے لئے پختہ عزم و ارادہ چاہیے۔جب انسان ایک بار کسی کام کے اختیار کرنے یا چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لے تو کوئی مشکل آڑے نہیں آسکتی، بات صرف

اور صرف مضبوط قوتِ ارادی کی ہے اور یوں بھی سگریٹ نوش کو اس بات کا احساس ضرور ہونا چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال رہا ہے۔ جس طرح ایک ایک فرد سے ایک خاندان اور پھر خاندان سے ایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے اسی طرح سگریٹ نوشی سے ہونے والے نقصانات پہلے ایک خاندان کے افراد اور پھر تمام معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

بابر کے بابا جان جو بظاہر لاتعلق بنے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ اندر ہی اندر نہایت شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔ انھوں نے اس نہج پہ تو کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ وہ سگریٹ نوشی کے وجہ سے اپنے ساتھ اپنے سارے خاندان کو طرح طرح کی بیماریوں کا تحفہ دے رہے ہیں۔

آج انھیں معصوم بچوں نے اپنی گفتگو سے وہ سبق دے دیا تھا جو اس سے قبل کسی نے نہیں دیا تھا۔ وہ بلا کے سگریٹ نوش تھے اور ڈاکٹر کی سخت ہدایت کے باوجود سگریٹ نہیں چھوڑ سکے تھے حالانکہ انھیں ایک مرتبہ دل کا دورہ بھی پڑ چکا تھا لیکن کبھی انھوں نے سگریٹ چھوڑنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی یا شاید انھوں نے اس پہلو کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا جیسے آج ان تینوں بچوں نے غیر ارادی طور پہ ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

بابر ان کی طرف دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ انھوں نے شرمندہ ہو کر نظریں جھکا لیں۔ وہ دل ہی دل میں سگریٹ نوشی چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ان سب کی باہمی گفتگو کے دوران ہی وہ نامحسوس طریقے سے جلتا ہوا سگریٹ بجھا چکے تھے۔ انھوں نے چپکے سے اٹھ کے باہر والی کھڑکی کھول دی۔۔۔ سورج کی سنہری کرنوں کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی ہوا بھی سر اٹھا کے اندر داخل ہوئی۔۔۔ کمرے میں پھیلا دھواں رفتہ رفتہ۔۔۔ باہر کا رخ کر رہا تھا۔۔۔

(فوزیہ تاج)

''صحت مند بچے کی نصیحت۔۔۔''

نہ ہی سگریٹ، نہ ہی پان۔
اپنی تو ہے یہ ہی شان

دودھ بنائے صحت اپنی
اور میں بس کھاتا ہوں نان

سگریٹ ، بیڑی چھوڑ کے دیکھ
پھر تو اپنی دیکھ اڑان

صحت ، صحبت اچھی رکھ
پڑھنا لکھنا ہے آسان

دکھ، تکلیف میں سگریٹ چھوڑ
مسجد جا کے سجدے مان

نہ نسوار تو جیب میں رکھ
اس کو بھی تو آفت جان

نشے کی ہر اک چیز بری ہے
بات میری پہ دھر لے کان

سگریٹ سے گر لگ گیا دل
خطرے میں پھر پڑ گئی جان

روشن سویرا۔۔۔

وہ چار سالہ بچہ حماد تھا۔ جسے اکثر اوقات دادا جان کاندھے پہ بٹھائے باہر سیر کرانے لے جاتے۔ وہ ان کے ساتھ بہت خوش رہتا تھا۔ ان کی بہو انیلا بھی اسے دادا جی کے ساتھ بھیج کے گھر کے بہت سے کام نبٹا لیتی۔ دادا جی دوستوں کے ساتھ حجرے میں جتنی دیر بیٹھے رہتے، وہ اور ان کے دوست حقہ پیتے رہتے تھے۔ سارا وقت دادا جی اور ان کے دوست حقہ گڑ گڑاتے رہتے۔ حماد ان کے ساتھ بظاہر لاتعلقی سے بیٹھا اپنے کھیل کود میں مصروف ہوتا مگر درحقیقت بچے ارد گرد کے ماحول میں ہونے والی چیزوں کو غیر ارادی طور پر نہ صرف محسوس کرتے ہیں بلکہ انھیں سیکھنے کی اور خود تجربہ کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

انیلا کام ختم کر کے لاؤنج میں آ بیٹھی۔ پاس ہی اسکی قریبی دوست زینب بھی آئی بیٹھی تھی۔ جس کا بیٹا احسن، حماد کا ہم عمر ہی تھا۔ یہ دونوں اپنی باتوں میں مصروف تھیں جبکہ بچے ساتھ والے کمرے میں کھیل رہے تھے۔ یکا یک انھیں بچوں کے کمرے سے عجیب و غریب آوازیں سنائی دیں۔ یہ دونوں بھاگ کے ساتھ والے کمرے میں پہنچیں تو آگے کا منظر دیکھنے والا تھا۔ احسن نے دادا جی کا حقہ تھام رکھا تھا جبکہ حماد حقہ منہ سے لگائے گڑ گڑ کی آواز نکالنے کی کوشش کر رہا تھا اور ننھے سے ہاتھ میں ماچس کی تیلی تھی جسے ساتھ ساتھ جلانے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ دادا جی بھی ان کے شور کی آواز سن کر ادھر آ گئے تھے۔ دونوں بچے بری طرح گھبرا گئے۔ یہ کیا کر رہے تھے تم۔۔۔ انیلا نے حیرانی سے حماد سے پوچھا۔ میں دادا جی کی طرح حقہ پینا چاہتا تھا اور احسن کو بھی سکھا رہا تھا مگر یہ ماچس نہیں جل رہی تھی۔ اس نے بہت ڈرتے ڈرتے بتایا۔ انیلا اور زینب بچوں کو ڈانٹنے لگیں مگر دادا جی نے منع کر دیا۔

دادا جی بے حد شرمندہ ہو رہے تھے اور بہو بیٹے کو کہنے لگے! مجھے حماد کے سامنے حقہ نہیں پینا چاہیے تھا۔ مگر ابا جی یہ حقہ تو خراب پڑا ہے آپ نے تو کبھی اسے استعمال نہیں کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہاں یہ میں نے کبھی استعمال نہیں کیا مگر حماد چونکہ میرے ساتھ حجرے جاتا رہتا ہے لیکن مجھے اندازہ ہی نہ ہوا کہ معصوم بچہ اس ناسمجھی کی عمر میں سب کچھ سیکھ رہا ہے۔ شکر ہے کہ کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ بڑوں اور بزرگوں کو چاہیے کہ کبھی بھی بچوں کے سامنے سگریٹ، حقے وغیرہ کا استعمال نہ کریں کیونکہ بچے جانے انجانے میں سب سیکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا اس میں حماد قصوروار نہیں بلکہ میں ہی قصوروار ہوں۔ اتنے میں حماد کے پاپا بھی شرمندگی سے بولے! آج میں بھی آپ لوگوں کو ایک سچائی بتانا چاہتا ہوں۔ سب حیرانی سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ کچھ دن قبل میں بھی دوستوں کے ساتھ سگریٹ پی رہا تھا کہ حماد نے ایک چھوٹی سی پینسل اپنے ننھے منے ہاتھوں کے درمیان پھنسا لی اور بار بار سگریٹ پینے کے انداز میں منہ سے لگاتا اور ہٹاتا تھا۔ میرے ایک دوست نے اسکی جانب توجہ مبذول کروائی۔ اس دن سے میں نے عہد کر لیا تھا کہ کسی بھی قیمت پہ حماد کے سامنے سگریٹ نہیں پیوں گا کیونکہ جب حماد سے میرے دوست نے پوچھا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہو تو اس نے جواب دیا کہ ابو کی طرح سگریٹ پی رہا ہوں۔ سب دوستوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ سگریٹ پینا بہت بری بات ہے تو اس نے جواب دیا اگر یہ بری چیز ہوتی تو ابو اور آپ لوگ کیوں پیتے۔۔۔؟ ہم سب لاجواب ہو گئے اور اس دن کے بعد ہم دوستوں نے عہد کیا کہ نہ صرف حماد بلکہ کسی بھی بچے کے سامنے کبھی سگریٹ نہیں پییں گے۔

دادا جی خود بھی بہت شرمندہ ہو رہے تھے۔ انھوں نے سب خاموشی سے سننے کے بعد کہنا شروع کیا۔۔۔ بچے بڑوں سے ہی سب سیکھتے ہیں۔ لہٰذا آج سے میری یہ نصیحت ہے کہ گھر، سکول، حجرے، ہسپتال ریسٹورنٹ، کالج، سکول، ریلوے اسٹیشن، بس سٹاپ اور یہاں تک کہ گھر کے ڈرائینگ روم

میں بھی سگریٹ نوشی کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ ارد گرد بچے نہ ہوں کیونکہ بچے بڑوں سے اثر لیتے ہیں اور ہر بات میں بڑوں کی نقل کرتے ہیں۔ ہم ان کے سامنے تمباکو نوشی کا کسی بھی طریقے سے استعمال کر کے نہ صرف ان کے ساتھ، بلکہ اپنے ساتھ بھی زیادتی کر رہے ہیں کیونکہ بچے ہی ہمارا آنے والا کل ہیں، جسے ہم صبح کے اجالے کے بجائے رات کی تاریکی تحفے میں دے رہے ہیں۔

جی اباجی۔۔۔۔بے شک ایسا ہی ہے۔آج کے بعد ہم سب یہ اصول اپنے دوستوں اور عزیز رشتے داروں کو بھی ضرور بتائیں گے تاکہ ہر کوئی اس سلسلے میں، اپنی اپنی جگہ محتاط رہے۔ہم سب مل جل کر اپنے آنے والی نسلوں کو تمباکو نوشی اور ہر طرح کے نشے سے دور رکھنے کی کوشش کریں گے تاکہ ایک تابناک اور روشن سویرا ہم لوگوں کا منتظر ہو۔

آخری سگریٹ (حصہ اول)۔۔۔

آج دسویں جماعت کا نتیجہ آیا تھا۔اچھی پوزیشن لینے والے بچے سب سے زیادہ جوش و خروش سے سکول میں ادھر ادھر چہک رہے تھے۔وہ بچے بھی خوشی خوشی ادھر ادھر پھر رہے تھے جنھوں نے نمایاں پوزیشن نہ سہی مگر پاس ضرور ہو گئے تھے۔ایک طرف پانچ بچوں کا وہ گروپ بیٹھا تھا جو ایک یا دو مضامین میں فیل ہو گیا تھا۔ان میں سے چار امیر خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے جنھیں کامیابی یا ناکامی کی کوئی خاص فکر نہ تھی۔جبکہ علی غریب فیملی سے تعلق رکھتا تھا۔اسے یہ دکھ تھا کہ لاچار والدین نے انتہائی کسمپرسی کے باوجود اس کی اچھی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن وہ بدقسمتی سے ایک مضمون میں فیل ہو گیا تھا اور دکھ و پریشانی سے اس کا برا حال تھا۔

پاس ہونے والے تمام بچے ہال کی طرف رواں دواں تھے جبکہ علی فیل ہو جانے والے لڑکوں کے پیچھے چل پڑا جو گروپ بنا کے گراؤنڈ کے نسبتاً ایسے حصے میں آ بیٹھے جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔علی بھی ان کے ساتھ سر جھکا کے بیٹھ گیا۔ان لڑکوں نے دیدہ دلیری سے سگریٹ سلگا لئے۔علی خاموشی سے جلتی سگریٹ سے اٹھتے دھوئیں کو دیکھنے لگا۔یکا یک ایک لڑکے کی نظر اس پہ پڑ گئی۔کیوں پیارے! کیا پینی ہے۔۔۔؟ دوسرے لڑکے نے بھی آفر دی۔یار آج تو پی لے، پھر تجھے محسوس ہو گا کہ تیرا سارا دکھ درد ہوا بن کے اڑ گیا ہے۔علی نے آج سے قبل کبھی سگریٹ نہیں پی تھی۔جب بھی دوستوں کو سگریٹ پیتے دیکھتا تو اسے کچھ اچھا نہ لگتا اور سمجھانے کی کوشش کرتا تو جواب آتا کہ اس سے ٹینشن دور ہو جاتی ہے اور غم بھاگ جاتے ہیں۔وہ ان کی بے سر و پا باتیں سن کے ہنستا تھا اور آج اس نے دوستوں کے مجبور کرنے پہ خود پہلا سگریٹ منہ سے لگا لیا تھا۔شروع میں تو اسے پہلے کش پہ ہی زور کی کھانسی لگ گئی لیکن رفتہ رفتہ اسے مزہ آنے لگا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ کسی عادی سگریٹ نوش کی طرح سگریٹ پینے لگا۔ واقعی سگریٹ اسے عجیب سا سکون دے رہی تھی۔ ارد گرد بیٹھے دوست خوشی کا اظہار کر رہے تھے کہ وہ بھی آج ان کی محفل میں شامل ہو گیا ہے

وقت گزرتا گیا۔ علی اگر پکا سگریٹ نوش نہیں بھی بنا تھا تو اسے عادت ضرور ہو چکی تھی۔ اول اول تو اسے یہی لگا کہ واقعی ہر مشکل اور پریشانی رفع کرنے کا ذریعہ صرف اور صرف سگریٹ ہے۔ اس کا تمام جیب خرچ سگریٹ خریدنے پہ صرف ہو جاتا یہاں تک کہ اب اسکے پاس کالج جانے کا کرایہ بھی نہیں ہوتا تھا کیونکہ جیب خرچ کے علاوہ بس کرایہ ہی بچتا تھا اور وہ بھی سگریٹ کی نذر ہو جاتا تھا۔

گزشتہ کچھ دنوں سے علی بہت پریشان تھا چونکہ اسکے گروپ کے باقی لڑکے امیر خاندان سے تھے لہذا انھیں روپے پیسے کی کوئی تنگی نہیں تھی لیکن علی کو یہ لت لگتے ہی اسکی بری حالت ہو گئی۔ جن چھوٹی موٹی پریشانیوں سے نجات پانے کے لئے اس نے پہلا سگریٹ پیا تھا اب سگریٹ سے ضرب دے کر وہ سو گنا ہو گئیں تھیں کیونکہ اس کے ساتھ کے دوسرے لڑکے تو سگریٹ خرید لیتے لیکن وہ محدود سے جیب خرچ کے ختم ہونے کے بعد بالکل کنگال ہو جاتا تھا۔ شروع شروع میں اپنے گروپ میں شامل کرنے کے لئے تو ان لڑکوں نے کچھ عرصے تک اسے فری سگریٹ پلائی تھی لیکن جب وہ عادی ہو چکا تو اب انھوں نے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

اس دن بھی وہ سگریٹ کی ڈبیا میں پڑی آخری سگریٹ سلگا رہا تھا۔ اچانک اسکی نظر ڈبیا کے کنارے لکھی عبارت پہ پڑی۔ خبردار! سگریٹ نوشی مضر صحت ہے وہ بآواز بلند ہنسنے لگا۔ یعنی کہ موت بیچنے کا سامان مہیا کر کے اس سے ہونے والے نقصانات سے آگاہی کی مہم بھی چلائی جا رہی ہے۔ یہ سگریٹ بھی کیا چیز ہے۔ دو ہی پل میں دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی ہے مگر اس سے دل لگانے کے لیے بھاری جیب کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اسے اسکی غربت نے یہ ضرور باور کروا دیا کہ غریب غم بانٹنے کے لئے اگر سگریٹ کا سہارا لے بھی لے، مگر سگریٹ میسر نہ ہونے کا غم پھر کون بانٹے گا۔؟۔ پتہ

نہیں کہاں سے اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی۔ دراصل گزشتہ کچھ دن سے ان کے کالج میں اسلامیات کے نئے پروفیسر آئے تھے۔ جو دوستانہ ماحول میں کتابی باتوں کے علاوہ بھی انھیں بہت کچھ ایسا بتا دیتے کہ جو ان کے دل و دماغ کو اپنے سحر میں جکڑ لیتا تھا۔ چند دن قبل لیکچر دیتے دیتے انھوں نے اچانک سوال کر ڈالا تم لوگوں میں سے سگریٹ کون کون پیتا ہے۔؟

ساری کلاس میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ تمام کلاس فیلوز اصلیت سے واقف حال تھے۔ سب ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ اسی اثناء میں چور کی داڑھی میں تنکا والی بات ہوئی اور دوسرے گروپ کے ساتھ ہی علی بھی جھٹ سے بول اٹھا کہ ہم لوگ تو نہیں پیتے۔ باقی سارے بچے ہنسنے لگے۔

یوں بہت سارے دن لیکچر ختم ہونے کے بعد کلاس میں موضوع بحث اکثر یہی ہوتا کہ سگریٹ نوشی کے مضر اثرات کیا ہیں اور سگریٹ نوشی ترک کیسے کی جائے۔ پروفیسر صاحب اتنے عمدہ طریقے سے آہستہ آہستہ ان کے دماغ میں اپنی نصیحتیں انڈیل رہے ہوتے کہ انھیں خود بھی سمجھ نہ آئی کہ کب اور کیسے ان سب کے دل میں سگریٹ کے خلاف نفرت نے جنم لیا۔ کلاس کے تمام طالب علم بغور سن رہے ہوتے تھے۔ سگریٹ نہ پینے والوں کے دل و دماغ میں مذید پختگی آ گئی کہ انھوں نے کبھی اس لت میں نہیں پڑنا جبکہ علی کا تمام گروپ دماغی طور پہ قائل ہوگیا تھا کہ سگریٹ نوشی بری عادت ہے لیکن دل سے چھوڑنے کا عہد نہیں کر پا رہے تھے۔ ایک علی تھا جس نے نہ صرف دل و دماغ سے سگریٹ نوشی ترک کرنے کا سوچا بلکہ پروفیسر صاحب سے وعدہ بھی کر لیا کہ انشاءاللہ، وہ سگریٹ نوشی ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے گا۔

پروفیسر صاحب بے حد خوش تھے کہ اگر وہ چاروں نہیں تو ان میں سے ایک نے تو حامی بھر لی ہے۔ وہ اس کو ہر دن ایک نیا سبق دے رہے تھے اور ہر دن کے بعد نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ محض

پختہ ارادہ ہی کسی بھی سگریٹ نوش کو اس سے باز رکھ سکتا ہے اور جب ایک بار انسان کسی بات کا عزم کر لے تو کوئی بھی کام ناممکن نہیں ہوتا اور پھر ان کے سمجھانے کے بعد اس نے سگریٹ نوشی ہمیشہ کے لیے ترک کرنے کا عہد کر لیا۔ اس عہد کے ساتھ ہی وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی آخری سگریٹ بجھا رہا تھا۔ سگریٹ چھوڑنے کے بعد شروع شروع میں اسے بہت مشکل ہوئی، کچھ لڑکوں نے حوصلہ پست کیا کہ ایک مرتبہ عادی ہو جانے کے بعد سگریٹ چھوڑنا بہت مشکل ہے مگر باقی دوستوں نے ہمت بندھائی کہ اسے ہر قیمت پر اپنے کئے ہوئے عزم کو پورا کرنا ہے۔ پروفیسر صاحب نے کسی ماہر نفسیات کی طرح اس کی راہنمائی کی۔ اس دوران اسے باقی تین سگریٹ نوش دوستوں سے بالکل دور رہنے کی تلقین کی گئی۔ پروفیسر صاحب اور اسکے دوسرے کلاس فیلوز بے حد خوش تھے کیونکہ اس نے پروفیسر صاحب سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اور یوں پروفیسر صاحب اور دوستوں کے تعاون سے اس نے اس بری لت سے نجات حاصل کر لی۔ پروفیسر صاحب نے اسے یاد دہانی کروائی۔۔۔علی۔۔! تمہیں یاد ہے کہ جب تم اپنی زندگی کا آخری سگریٹ بجھا رہے تھے تو تم نے مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا کہ یہ آخری سگریٹ بجھا کر تم اپنی زندگی میں امید کا دیا ہمیشہ روشن رکھو گے۔ علی ان کی بات خاموشی سے سننے لگا۔ وہ مزید کہنے لگے۔ بجھتی ہوئی راکھ میں۔۔۔کہیں نہ کہیں چنگاری رہ جاتی ہے۔ جو ذرا سی ہوا محسوس ہوتے ہی دوبارہ بھڑک اٹھتی ہے۔ کبھی اس راکھ کو چنگاری مت بننے دینا۔ علی ان کی بات سمجھ گیا۔ بالکل نہیں سر! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اور تمہیں ایک وعدہ اور بھی کرنا ہوگا۔ علی نے استفہامیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولے۔۔۔تم نے ایک قرض اتارنا ہے۔۔۔قرض۔۔مگر کیسا قرض۔۔؟ تمہارے ہاتھ سے سگریٹ لے کر میں نے امید کا جو دیا روشن کیا ہے۔ اب تم نے اپنے حصے کا چراغ جلانا ہے۔

جس طرح میں نے تمہاری اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے اور تمہیں گمراہی کے

اندھیروں میں بھٹکنے سے بچا لیا ہے اسی طرح تم اپنے قول و فعل سے لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرو گے۔ جی۔۔ جی جناب! آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ میں نہ صرف اپنے دوستوں کو سگریٹ نوشی ترک کرنے کی ترغیب دوں گا بلکہ انسداد سگریٹ نوشی و منشیات کی مہم میں بڑھ چڑھ کے حصہ لوں گا اور آپ کے اس کارِ خیر میں زندگی کی آخری سانس تک اپنا حصہ ڈالنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ پروفیسر صاحب کو دلی اطمینان ہوا کہ اب اس جلتی ہوئی شمع سے ضرور نئی شمعیں روشن ہوتی جائیں گی۔

(فوزیہ تاج)

آخری سگریٹ (حصہ دوم)۔۔۔

سگریٹ چھوڑے علی کو تقریباً چھ ماہ سے زیادہ ہو گئے تھے۔ وہ کالج کے بعد اکثر اوقات پروفیسر صاحب کے ساتھ ان کی لائبریری میں آبیٹھتا۔ وہاں ان کے اور شاگرد بھی آتے تھے۔ جو کتابوں کے مطالعے سے زیادہ پروفیسر صاحب کی صحبت میں بیٹھنے کے لئے وہاں آتے تھے۔ پروفیسر صاحب ہر پوچھی جانے والی بات کا تحمل سے جواب دیتے تھے۔

آج بھی وہ سب حسب دستور پروفیسر صاحب کے گھر براجمان تھے کہ وہاں بیٹھے لڑکوں میں سے اچانک ایک نے پوچھا! سر آج ہم آپ سے ایک خاص بات پوچھنا چاہتے ہیں۔ وہ کتاب سے سر اٹھا کے گہری نظروں سے انھیں دیکھنے لگے۔ سر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ایسا کیا ہے کہ آپ نے سگریٹ نوشی کے تدارک کا بیڑا اٹھالیا اور ہم نے سنا ہے کہ آپ منشیات فروشوں کے بارے میں جہاں بھی کوئی خبر سنتے ہیں، ان کے خلاف سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے کتاب بند کر دی۔ کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے، جیسے شش و پنج میں مبتلا ہوں کہ کچھ بتائیں یا نہیں۔ چہرے پہ پھیلے غم کے سائے کسی انہونی کا پتہ دے رہے تھے۔ اچانک ان کی چپ ٹوٹی۔ یہ موضوع اگرچہ مجھے بہت تکلیف دیتا ہے لیکن میں ضرور بتاؤں گا تم لوگوں کو کہ وہ کون سے محرکات ہیں جن کی وجہ سے، میں منشیات فروشوں اور سگریٹ نوشی کرنے والوں سے اس قدر نفرت کرتا ہوں۔ وہ سنانا شروع ہوئے۔ اب وہ سب لائبریری کے بجائے ہال میں آبیٹھے تھے۔ چاروں جانب خاموشی چھائی تھی۔ سب دم سادھے ان کے بولنے کا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے گہری سانس لی۔ جیسے انھیں دل کے زخم خود کریدتے ہوئے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ انھوں نے بولنا شروع کیا۔۔۔ ہاں یہ سچ ہے کہ میں نشہ بازوں اور نشہ بیچنے والوں سے سخت متنفر ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اس لعنت کی وجہ سے اپنا جوان

بیٹا کھو دیا۔ وہ بولتے جا رہے تھے۔

شہرام میرا اکلوتا بیٹا تھا۔ جو تم لوگوں کا ہم عمر ہی تھا۔ اچھا خاصا لکھتے پڑھتے، نہ جانے کیسے وہ پہلے پہل سگریٹ پینے کا عادی ہو گیا۔ جب پہلی مرتبہ مجھے پتہ چلا کہ وہ سگریٹ پیتا ہے تو میں نے اس بات پر زیادہ سنجیدگی کا مظاہرہ نہ کیا اور یہ کہہ کے ٹال دیا کہ ایسے ہی دوستوں کی باتوں میں آ کے پی لی ہو گی۔ ہم کہیں گے تو نہیں پیئے گا لیکن یہ ہماری بھول تھی۔ زہریلے پودے کو اگتے ہی جڑ سے نہ کاٹا جائے تو اسکی شاخیں بڑھتے بڑھتے ہر جگہ پھیل جاتی ہیں اور پھر ان کا سدباب مشکل ہوتا ہے۔ یہی سب کچھ ہمارے ساتھ ہوا۔ شروع شروع میں جب اسے سمجھانا چاہا تو وہ ہاتھ ہی نہ آیا اور جب سختی کی تو چھپ چھپ کر پینے لگا۔ تو آپ اسے اسکے دوستوں سے منع کر دیتے نا، علی نے درمیان میں لقمہ دیا۔ ہاں، بہت منع کیا تھا مگر وہ گھر چھوڑ کے جانے کی دھمکی دیتا تھا۔ جوان اولاد اگر غلط راستے پہ چل نکلے تو گھر والوں کے لیے اس سے بڑی آزمائش نہیں ہو سکتی۔ نہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی برباد ہوتا دیکھ سکتے ہیں۔

اسکی صحت گرتی جا رہی تھی۔ وزن کم ہو گیا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ ذرا سا سمجھانے کی کوشش کرتے تو گھر سے چلے جانے کی دھمکی دیتا۔ مجھے اسکی حرکات بہت کھٹک رہی تھیں۔ کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔۔۔ اور جلد ہی مجھے اطلاع مل گئی کہ وہ آئس پینے لگ گیا تھا۔ اس کے جسم پہ جگہ جگہ انجیکشن کے نشانات تھے۔ میں نے اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے ان لوگوں کا پتہ بھی لگانے کی کوشش کی جنھوں نے میرے بیٹے کو اس حال میں پہنچایا تھا مگر سوائے امیر گھرانوں کے بگڑے ہوئے نوعمر لڑکوں کے، کوئی سراغ نہ مل سکا۔ مجھے کسی نے مشورہ دیا کہ بیٹے کو گھر ہی میں قید کر لیں تاکہ کچھ دن وہ ان دوستوں کی صحبت سے دور رہے اور آہستہ آہستہ ڈاکٹر کے زیرِ نگرانی یا کسی اچھے ریہیب سینٹر میں ایڈمٹ کروا کے علاج کروا لیں۔ مجھے اسوقت کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا

لہذا یہی تدبیر بھلی معلوم ہوئی اور بیٹے کو گھر میں بند کر دیا۔ کھانا اور پانی دیا تو اس نے اٹھا کے باہر پھینک دیا۔ قریبی دوست نے مشورہ دیا کہ ڈاکٹر کو بلا کر انجیکشن لگوالیں اور گھر سے ہی علاج شروع کریں لیکن اس نے ڈاکٹر کو دیکھتے ہی خوب شور مچانا شروع کیا اور دھمکی دی کہ کوئی بھی اسکے قریب آیا تو وہ خودکشی کر لے گا۔ ڈاکٹر مایوس ہو کے واپس چلا گیا۔ اس روز رات بھر اس کے کمرے سے آہ و فغاں اور بلند و بالا چیخوں کی آواز آتی رہی۔ اسکی ماں اور بہنیں تو اسی دن بے موت مرگئیں۔ اسکی ماں کی طبعیت اچانک بہت خراب ہوگئی اور مجھے اس کو لے کر ہسپتال جانا پڑا۔ میرے جانے کے بعد میری دو بیٹیاں اسکی چیخوں کی آواز برداشت نہ سکیں اور دروازہ کھول دیا۔ وہ موقع پاتے ہی گھر چھوڑ کے چلا گیا اور جاتے وقت گھر میں موجود ساری نقدی اور زیور، جو بیٹی کی شادی کے لئے رکھا تھا، وہ بھی ساتھ لے گیا۔

میں اسکی ماں کو ہسپتال سے واپس گھر لایا تو شہرام گھر میں نہیں تھا۔ ہم پہ قیامت ٹوٹ پڑی۔ اسے ڈھونڈنے کے لیے بہت سے لوگوں سے مدد مانگی، سب دوستوں کے گھر میں بھی چیک کیا مگر کہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ پولیس میں رپورٹ بھی کروائی لیکن وہ بھی ناکام رہی۔ میں نے اگرچہ سر دھڑ کی بازی لگالی لیکن ایک سال سے زیادہ عرصہ بیت جانے کے باوجود بھی میرے بیٹے کا کہیں کچھ پتہ نہ چل سکا۔ پولیس نے مایوس ہو کر اسے لاپتہ ہی قرار دے دیا۔ بالآخر میری اور پولیس کی مشترکہ کوششوں سے اسکی کہیں پہ موجودگی کی خبر ملی اور میری ہی نشاندہی پہ پولیس نے منشیات فروشوں کے ایک اڈے پہ چھاپہ مارا اور منشیات فروشوں کے ساتھ ساتھ قریبی بستی پہ بھی ریڈ کیا۔ وہاں کے حالات ناقابل بیان تھے کیونکہ وہاں آئس کا نشہ کرنے والے کمزور، ناتواں اور لاغر جسم کے ساتھ جگہ جگہ پڑے تھے۔ انہی میں سے ایک میرا بیٹا شہرام بھی تھا۔ جو اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ نہ صرف وہ بلکہ اس جیسے کئی دوسرے لڑکے مردوں کی طرح وہاں پڑے تھے۔ ان میں اور

مرے ہوئے لوگوں میں بس اتنا فرق تھا کہ وہ لوگ مر کے قبر کے اندر چلے گئے اور یہ لوگ دھرتی پہ بوجھ کی صورت میں زمین پہ موجود تھے اور ابھی دفن ہونے کے انتظار میں تھے۔

دراصل آئس کا دھندا کرنے والے پہلے نوجوان لڑکے لڑکیوں کو سگریٹ پہ لگاتے ہیں، جو بہت معمولی بات سمجھی جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ چرس، ہیروئین اور آئس کا عادی بنا لیتے ہیں، یہاں تک کہ، جب انھیں نشہ نہیں ملتا تو وہ مجبور ہو کر خود نشہ بیچنے لگ جاتے ہیں کیونکہ بروقت نشہ نہ ملنے پہ ان کی حالت تشویشناک ہو جاتی ہے اور نشے کی لت لگ جائے تو رفتہ رفتہ وہ معاشی، سماجی، ذہنی اور جسمانی طور پہ ختم ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور ان لوگوں کے کسی کام کے نہیں رہتے۔ لہذا کچھ ہی عرصہ میں انھیں موت آلیتی ہے یا یہ لوگ پولیس کو خوش کرنے کے لئے ایسے لاغر و بیمار اور قریب المرگ نشہ بازوں کو گرفتار بھی کروا لیتے ہیں اور میں نے آخری بار اپنے بیٹے کو موت کے دہانے پہ کھڑا دیکھا۔ وہ مجھے پہچان بھی نہیں پا رہا تھا۔ پولیس ریڈ کے بعد بہت سے لوگ گرفتار ہوئے اور نشہ بازوں میں سے دو چار ہی ایسے تھے جن کے والدین انھیں لے گئے جبکہ باقی سب کو ریہیب سینٹرز میں پہنچا دیا گیا۔ میں اپنے بیٹے کو نیم مردہ حالت میں گھر لے آیا۔ ماں بہنیں اسکو اس حال میں دیکھ کر تڑپ اٹھیں مگر انھیں نہیں پتہ تھا کہ ابھی انھیں اس سے بھی بڑا صدمہ جھیلنا ہے۔ گھر لانے کے بعد وہ تقریباً ایک ہفتہ ہی زندہ رہا۔ سچ ہی کہتے ہیں کہ مر جانے والے پہ صبر آ ہی جاتا ہے مگر زندہ بچھڑ جانے والے کی جدائی گھر والوں کو جیتے جی مار ڈالتی ہے۔ قدرت نے اسکی تدفین ہمارے ہاتھ سے ہی لکھی تھی۔ ٹھیک ایک ہفتے بعد میں نے اپنے ان ہاتھوں سے اسے قبر میں اتارا۔ پروفیسر صاحب کہانی کا انجام سناتے سناتے کانپ رہے تھے۔ یوں جیسے میلوں کا سفر برہنہ پا طے کر کے آئے ہوں۔ ماتھے پہ چمکتا پسینہ اس بات کا غماز تھا کہ وہ دکھ بھری یادوں کے پاتال سے اپنی روح کو بڑی دشواری سے گھسیٹ کر لائے ہیں۔ وہ یہ سب کہہ کر خاموش ہو گئے۔ وہاں پہ موجود تمام سامعین کو جیسے سانپ سونگھ

گیا تھا۔کوئی ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہا تھا۔اس خاموشی کو علی نے ہی توڑا۔تو اسی لئے آپ انسداد منشیات اور تدارک سگریٹ نوشی کے لئے کام کرتے ہیں۔ ہاں بے شک ایسا ہی ہے۔شاید اللہ اپنے بندوں پہ آزمائشیں اسی لئے ڈالتا ہے کہ وہ اپنے خاص بندے کو ہی کسی مخصوص کام کے لئے چن لیتا ہے کیونکہ وہ اسکے ذریعے اپنے دوسرے،،بہت سارے بندوں کو تکلیف سے بچانا چاہتا ہے۔ اپنا بیٹا کھو دینے کے بعد میں نے سوچ لیا کہ اب کوئی شہرام نشے کی لت میں پڑ کے اپنی جان سے ہاتھ نہیں دھوئے گا۔سر! ہمارا ابھی آپ سے وعدہ ہے کہ ہم سب مل جل کر ایسے لوگوں کو مایوسی کے اندھیروں سے نکالنے کی کوشش کریں گے اور آج کے بعد ہم کبھی سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگائیں گے بلکہ ان لوگوں کو بھی اس سے چھٹکارا دلانے کی کوشش کریں گے،جو کسی بھی وجہ سے اس بری لت کا شکار ہو گئے ہیں۔علی کے دوستوں نے کہا،جنھیں وہ آج بہت مشکل سے اپنے ہمراہ لایا تھا تاکہ وہ سب بھی سن سکیں،جو باقی لوگ جاننا چاہتے تھے۔علی کافی عرصہ سے ان پہ کام کر رہا تھا مگر جو ضرب آج ان کے دل پہ پڑی تھی وہ واقعی کاری تھی۔ان سب کے چہرے پہ چمکتا عزم علی کے علاوہ پروفیسر صاحب کو بھی دلی تسکین دے گیا اور انھیں یقین ہو گیا کہ علی اب ان کے حصے کا قرض اتارے گا،اگر یوں ہی شمع سے شمع جلتی رہے تو روشنی کو پھیلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔جہاں پروفیسر صاحب کی دکھ بھری کہانی سن کے وہ سب اداس وملول ہو گئے تھے،وہیں علی کے دوستوں نے جب سگریٹ چھوڑ دینے کے عزم کا اعلان کیا تو سب کے ساتھ ساتھ پروفیسر صاحب کے چہرے پہ بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔انھیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے۔۔۔شہرام کی روح بھی پاس ہی کہیں کھڑی مسکرا رہی ہے۔

(فوزیہ تاج)

راکھ۔۔۔۔

شام کے دھندلکے میں
کمرے کا دروازہ بند کئے
اداس، ملول اور رنجیدہ
زندگی سے تھکا ہارا انسان
جب غم غلط کرنے کے لیے
سگریٹ کا سہارا لیتا ہے
تو جیسے جیسے۔۔۔۔۔
انگلیوں میں دبی سگریٹ
راکھ بن رہی ہوتی ہے
ویسے ہی اس کے وجود کو
اندر ہی اندر
دیمک چاٹ رہی ہوتی ہے
اور آخر کار وہ بھربھری مٹی کی مانند
فنا ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔!!

(فوزیہ تاج)

تاریک راستے۔۔۔!!

آفس سے واپسی پہ میں جیسے ہی گھر پہنچی، فون پہ میری دوست اسمارا کے میسجز کی بھرمار تھی کہ فری ہو کے مجھے میسج کرو، ضروری بات کرنی ہے۔ نماز اور گھر کے دیگر کاموں سے فارغ ہو کے پہلے اسمارا کو کال کی کہ خدا خیر کرے کہیں بے چاری کے ساتھ کوئی مسئلہ نہ ہو گیا ہو اور جب اس سے بات ہوئی تو سن کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ جب اس نے بتایا کہ اس کی بیس سالہ بیٹی کائنات آج پانچواں دن ہے گھر سے غائب ہے۔ میں نے حیرانی سے پوچھا! تو تم نے پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں درج کروائی۔ جو اس نے بتایا وہ ناقابل بیان تھا۔

اسمارا کا شوہر بیرون ملک تھا جبکہ چار بیٹیوں کے ساتھ یہ پاکستان میں ہی تھی۔ تین سال قبل دو بڑی بیٹیاں بھی تعلیم کے سلسلے میں والد کے پاس باہر چلی گئیں جبکہ اسمارا دو بیٹیوں سمیت ادھر ہی تھی۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ زندگی بہت اچھی گزر رہی تھی۔ اس کے شوہر نے دوسری دونوں بیٹیوں کے لئے بھی باہر کی یونیورسٹی میں اپلائے کیا اور ارادہ تھا کہ بیوی بچیوں کو کچھ ہی عرصہ میں پاس بلا لے گا مگر اسمارا اپنی بیمار والدہ کو چھوڑ کے فی الحال جانا نہیں چاہ رہی تھی۔ اسلیے ایک بیٹی کو بھجوا دیا اور سب سے چھوٹی بیٹی کائنات نے خود ہی جانے سے انکار کر دیا۔ اسے بہت حیرانی ہوئی کہ اس عمر کی لڑکیاں باہر جانے کے شوق میں ہلکان ہوئی جاتی ہیں اور یہ ہے کہ انٹرنیشنل یونیورسٹی میں ایڈمشن ہو جانے کے باوجود بھی انکاری ہے لیکن جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ کیوں نہیں جانا چاہ رہی۔ اسکی ایک ماہ قبل کسی لڑکی سے دوستی ہوئی تھی اور وہ اپنی دوست کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہ رہی تھی۔ اسمارا کو حیرانی ہوئی مگر بیٹی کے انکار کے بعد کیا کر سکتی تھی۔ دوست کا نام روزینہ تھا مگر روز کے نام سے جانی جاتی تھی۔

حالات تو اسوقت خراب ہوئے جب اس نے بیٹی کے بدلے ہوئے رنگ ڈھنگ دیکھے۔اسکی دوست سے وہ اب تک نہیں ملی تھی، پتہ نہیں کہیں، کچھ نہ کچھ ایسا تھا جو غلط ہو رہا تھا۔اسکی چھٹی حس اسے بار بار متنبہ کر رہی تھی۔ایک دن اس نے بیٹی سے کہا کہ اپنی دوست اور اسکی والدہ کو گھر کھانے پہ بلالے۔اس نے ملازم کے ساتھ مل کے کھانے کا اہتمام کرلیا۔شام میں جب اسے ان ماں بیٹی کے آنے کی اطلاع ملی تو لاؤنج میں آ گئی۔وہ انھیں دیکھ کر دیکھتی ہی رہ گئی۔یہ نہیں تھا کہ وہ حسین تھیں اور وہ ان کے حسن کو دیکھ کر مبہوت رہ گئی ہو بلکہ وہ تو ان کے عجیب وغریب حلیے کو دیکھ کر چونک گئی تھی۔

کبھی ہم ان کو۔۔۔کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں" والا معاملہ تھا۔ماں کے بال بوائے کٹ، سنہری ڈائی کئے ہوئے، لمبی سی میکسی پہنے، دوپٹے سے بے نیاز، تیز میک اپ، جیسے ابھی ابھی کسی شادی سے آئی ہو۔گلے میں بڑے بڑے موتیوں والی مالا پہنے ہوئے تھی۔جبکہ لڑکی کا حلیہ اس سے بھی عجیب وغریب تھا۔کم وبیش ماں جیسا ہی حلیہ تھا۔ماں فربہی مائل جبکہ لڑکی ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی۔گلے میں بڑے بڑے موتیوں کی مالا، کلائی میں لڑکوں والی بڑے سٹائل کی گھڑی اور بہت سارے بینڈز، ایک کان میں بالی، بازو پہ بیرونی جانب عجیب وغریب ٹیٹو بنا ہوا اور اس قدر عجیب وغریب میک اپ۔۔۔اف خدایا۔۔۔یہ تھی اسکی بیٹی کی دوست، جس کی وجہ سے وہ اپنا مستقبل داؤ پہ لگا رہی تھی۔اسے ان ماں بیٹی سے مل کر واقعی بہت مایوسی ہوئی اور وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کائنات کو ان سے دور کر دے گی اور دوستی رکھنے کی اجازت نہیں دے گی مگر یہ اسکی بھول تھی۔

اس دن ماں تو کچھ دیر بیٹھ کے چلی گئی لیکن بیٹی دیر تک بیٹھی رہی۔جب رات بارہ بج گئے تو اسمارا نے کمرے پہ دستک دی۔بیٹا بہت دیر ہو چکی، اسے کوئی لینے آئے گا۔کائنات نے کہا کہ یہ رات ادھر ہی رکے گی اور صبح ہی جائے گی۔اسمارا کو روز کا یہاں رکنا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔اسکے

پاس بڑی سی گاڑی تھی اور خود ڈرائیو کرتی تھی۔ کالج کے بہانے وہ اکثر کائنات کو بھی ساتھ لے جاتی۔ اسمارا نے کائنات کو روز کے ساتھ گھومنے پھرنے سے منع کیا اور اسے رات گھر ٹھہرانے سے بھی لیکن کائنات ہتھے سے اکھڑ گئی اور دھمکی دی کہ وہ اسکی دوست ہے اور اگر اسے روکا گیا تو وہ گھر چھوڑ کے چلی جائے گی۔ اسمارا اس کے انداز و اطوار کو کافی عرصے سے محسوس کر رہی تھی لیکن لاکھ کوشش کے باوجود سدھار نہیں پا رہی تھی۔ اس نے بیٹی پہ سختی کی کوشش کی لیکن نتیجہ الٹ نکلا اور شام کے وقت روز نے اس کے گھر دھاوا بول دیا اور کائنات کو جیسے اغوا ہی کر کے لے گئی ہو۔ کیونکہ نہ بیٹی نے اس سے اجازت لی اور نہ ہی اسے روکنے کا موقع ملا۔ پہلے سے ان کے مابین شاید پلان بنا تھا۔ وہ دیکھتی ہی رہ گئی اور روز اسکی بیٹی کو لے اڑی۔ پھر چار دن تک اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ نہ اس نے کسی کو اطلاع دی۔ کیونکہ کائنات پہلے بھی اس کے گھر جاتی رہتی تھی اور دوسرا لڑکی ذات تھی اس کی گمشدگی کی خبر مستقبل میں اس کے لئے بدنامی کا باعث بن سکتی تھی۔ تین چار دن بعد روز نے اسے واپس گھر ڈراپ کر دیا۔ پھر تو یہ معمول ہی بن گیا۔ اس نے بہتیری کوشش کی مگر اب پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ وہ کچھ ہی عرصہ میں کائنات سے کیٹ بن چکی تھی۔ لمبے خوبصورت بال بوائے کٹ میں تبدیل ہو چکے تھے۔ وہ جب بھی اس کے گھر سے واپس آتی، ایک نئی تبدیلی کے ساتھ آتی۔ وہی گندا سا تیز میک اپ، گلے میں موٹے موٹے موتیوں کی مالا، پھٹے ہوئے پائنچے اور کلائی پہ بنے ٹیٹو۔ اس کا وزن دن بہ دن گرتا جا رہا تھا اور وہ پورا پورا دن کچھ کھاتی پیتی نہیں تھی۔ جب گھر واپس آتی تو پھر بھی ماں یا کسی بھی رشتہ دار کے پاس بیٹھنے سے گریز کرتی۔ کمرہ لاک کئے گھنٹوں بیٹھی رہتی۔

اسمارا اپنی بیٹی کی کہانی سنا کے مجھ سے مشورہ مانگ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں اسے بتایا کہ یقیناً وہ کسی قسم کا نشہ کرتی ہوں گی۔ کیونکہ جو معاملات وہ بتا رہی تھی وہ اسی جانب اشارہ کر رہے تھے۔ میں نے اسے کہا کہ سب سے پہلے کسی بہانے اسکے کمرے کی

تلاشی لے۔ پھر وہی نتیجہ نکلا۔ کیٹ کے کمرے سے الیکٹرونک سگریٹ اور آئس کے پیکٹ نکلے تھے اور اسکی الماری سے وہ زیورات بھی غائب تھے جو اس نے بیٹیوں کی شادی کے لئے بنا کے رکھے تھے۔ گتھی سلجھ گئی تھی مگر زندگی الجھ کے رہ گئی تھی۔

اس نے مجبور اشوہر کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا اور بہتری اسی میں سمجھی کہ وہ بیٹی کو لے کر ملک سے باہر شوہر کے پاس چلی جائے۔ اس کے شوہر نے تمام انتظامات مکمل کر کے اس کے اور کائنات کے ٹکٹ بھیجے تھے اور انھیں ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلے جانا تھا۔ کیٹ وہ ٹکٹ دیکھ چکی تھی اور ماں سے شدید ترین مخالفت کر کے دو دن سے کمرے میں بند تھی۔ وہ دروازہ بجا کے تھک چکی تھی۔ جس دن انھیں جانا تھا وہ رات تک ساری پیکنگ کر چکی تھی۔ کیٹ کسی صورت جانے کو تیار نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے سارا پیک شدہ سامان کھول کے پھینک دیا تھا۔

صبح سات بجے کی فلائٹ تھی ان دونوں کی اور وہ دلی سکون محسوس کر رہی تھی کہ کل صبح اسکی بیٹی نہ صرف گندی صحبت سے، بلکہ نشے کی لعنت سے بھی چھٹکارا پالے گی، جب وہ اسے لے کر ہمیشہ کے لئے ملک سے باہر چلی جائے گی مگر تقدیر اپنے ہی داؤ پیچ کھیل رہی تھی۔ وہ ساری رات اس کا دروازہ بجا کے تھک گئی تو اس کے پھیلائے ہوئے سامان کی دوبارہ پیکنگ کر کے اپنے تئیں مطمئن ہو گئی کہ صبح کیٹ کے پاس جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہو گا۔ روز تو اسے تب اپنے گھر چند دن کے لئے رکھتی تھی کہ یہ یہاں سے روپے پیسے ساتھ لے کے جاتی تھی اور اب اسے اندازہ ہو گیا کہ ماں کے ہمیشہ کے لئے چلے جانے کے بعد کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ لہٰذا صبح اسے ہمیشہ کے لئے چلے جانا تھا اور وہ واقعی ہمیشہ کے لیے چلی گئی۔ اسمارا تھوڑی دیر کے لئے سونے کو لیٹی کہ پھر اٹھ کے ائر پورٹ جانے کی تیاری کرنی تھی۔

صبح کی ہلکی ہلکی روشنی میں ایک وجود رفتہ رفتہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چال میں

لڑکھڑاہٹ مگر رفتار میں تیزی تھی جو اسکے ارادے کی مضبوطی کو ظاہر کر رہی تھی۔

اسمارا سو چکی تھی مگر عجیب بے سکون سی نیند تھی۔ وہ خواب میں ائیر پورٹ کی طرف جانے کے بجائے ایئر پورٹ سے گھر کی جانب بھاگ رہی تھی اور اسکے پاؤں زخمی ہو چکے تھے یکا یک کسی کی زوردار چیخ کی آواز کے ساتھ ہی، اسکی آنکھ کھل گئی۔ پہلے تو اسے سمجھ نہ آئی، پھر برآمدے سے کچھ دوڑتے قدموں اور چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیں تو وہ فوراً اٹھ کے باہر کی طرف بھاگی۔ صحن میں اس کے دو ملازم اور چوکیدار کسی کو گھیرے کھڑے تھے۔ اسمارا بھاگتی ہوئی وہاں پہنچی۔۔۔۔ اور آگے کا منظر ناقابل برداشت تھا۔ کہ اسکی پیاری بیٹی نے تیسری منزل کی چھت سے کود کر اپنی جان دے دی تھی۔ ارد گرد خون ہی خون بکھرا تھا۔ سر پھٹ چکا تھا۔ کسی نے ڈاکٹر کو فون کر دیا تھا اور ڈاکٹر نے موت کی تصدیق کر دی تھی۔

اسمارا کی کہانی تو ختم ہو چکی اور اس کی بیٹی کی زندگی بھی لیکن اس معاشرے کے لئے سوچ کا ایک نیا در وا کر گئی۔ یہ بالکل سچی کہانی ہے۔ جو میں نے قارئین کے گوش گزار کی ہے۔ یہ طمانچہ ہے ان والدین کے منہ پہ جو حرام کی کمائی سے اولاد کی پرورش کرتے ہیں اور ان کی ہر جائز ناجائز خواہش پوری ہوتی رہتی ہے پھر کیا لڑکا اور کیا لڑکی کسی کو بھی تباہ ہوتے دیر نہیں لگتی۔ خاص طور پر جب وہ غلط صحبت میں اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیں تو اپنے لئے ایسے تاریک رستوں کا انتخاب کر لیتے ہیں جن کا اختتام تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اسلئے تمام والدین کو چاہیے کہ اپنی اولاد پر کڑی نظر رکھیں۔ ان کے اور اپنے مابین کم سے کم فاصلہ رکھیں تا کہ وہ اپنی ہر بات بلا جھجھک آپ سے کر سکیں اور سب سے اہم بات کہ والدین کو اپنے بچوں کے دوستوں کے بارے میں مکمل آگاہی ہونی چاہیے، نہ صرف لڑکے بلکہ لڑکیاں بھی بری صحبت میں پڑ کے نشے جیسی لعنت کا شکار ہو سکتی ہیں پھر انھیں روز اوکیٹ بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ سگرٹ وہ نشہ دیتا ہے
بھول جاتے ہیں سبھی غم وہ مزہ دیتا ہے

عارضہ دل کا لگا دیتا ہے یا پھر کینسر
پینے والے کو وہ پھر ایسی سزا دیتا ہے

ذہنی حالت بھی تباہ ہوتی ہے رفتہ رفتہ
نکوٹن خون کو پھر زہر بنا دیتا ہے

پھر تو ہیروئین بھی، آئس بھی اور تمبا کو بھی
عادی اس کا جو ہو تو سب کو جگہ دیتا ہے

عادی سگریٹ کا ہو انسان تو رفتہ رفتہ
خود کو سرطان، یا گنگرین لگا دیتا ہے

خود جو پیتا ہے تو پھر بیچنے بھی لگتا ہے
یہ دھواں تو کسی زنداں کا پتہ دیتا ہے

چھوڑ دیتا ہے جو سگریٹ کسی کے کہنے پہ
خاندان اس کا، مسیحا کو دعا دیتا ہے
(فوزیہ تاج)

آخری پھیرا۔۔۔

سرکار بنام سکینہ زوجہ پرویز، آپ کو زیر دفعہ 9C,D میں عمر قید بامشقت کی سزا سنائی جاتی ہے۔علاوہ ازیں پانچ لاکھ روپے جرمانہ بھی ادا کرنا ہوگا۔عدم ادائیگی کی صورت میں دو سال قید محض گزارنی ہوگی۔عدالت اسے سزا سنا کر برخاست ہو چکی تھی۔وہ کچھ عرصہ سے حوالات گزار رہی تھی اور اپنے کیس کے سلسلے میں عدالت آتی جاتی تھی۔تاریخ پیشی والے دن اسے جہاں اپنے کیس کی فکر ہوتی وہاں اس بات کی خوشی بھی کہ اس دن اسکے بچے بھی اس سے ملنے کے لیے آئے ہوتے تھے۔ تین بیٹیاں بعمر چھ، آٹھ، تیرہ اور دو بیٹے اکیس اور پندرہ سالہ تھے۔جس دن اسے سزا سنائی گئی وہ کورٹ روم میں لیڈی پولیس گارڈ کے ہمراہ بیٹھی تھی۔بچے عدالت کے احاطے میں انتظار کر رہے تھے۔وکیل نے پورا یقین دلایا تھا کہ آج ان کی ماں جیل واپس جانے کے بجائے، ان کے ساتھ ہی گھر جائے گی۔

بچوں کی بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔عدالت کے اس احاطے کے تمام درخت، اور پودے ان لوگوں کو گن گن کر ازبر ہو چکے تھے۔ماں سے ملاقات کے بعد پولیس گارڈ اسے واپس جیل لے جاتی اور بچے اسے الوداع کہہ کے گھر آجاتے۔آج وہ پھولوں کے ہار اور مٹھائی کا ڈبہ لئے عدالت کے باہر ہی رک کر انتظار کرنے لگے۔چھوٹی بیٹی اور بیٹا لڑ رہے تھے کہ پہلے کون ماں کے گلے میں ہار ڈالے گا۔بڑے بچے خاموش تھے۔حالات نے شاید انھیں قبل از وقت سمجھدار بنا دیا تھا۔

عدالت برخاست ہو چکی تھی۔ایسے میں مرے قدموں سے چلتی ان کی ماں لیڈی کانسٹیبل کے ہمراہ ان کے سامنے آ کر رک گئی۔وکیل پیشہ ورانہ انداز میں تسلی دے رہا تھا۔تمہاری ماں کو سزا ہوگئی

مگر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اپیل میں انشاءاللہ جلد ہی بری کروالوں گا۔ ہار بچوں کے ہاتھ سے گر گئے، مٹھائی کا ڈبہ خاموشی کے ساتھ قریبی بینچ پہ رکھ دیا۔ بچے ماں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کے رو رہے تھے۔ سکینہ بت بنی کھڑی تھی۔ منہ سے تسلی کے الفاظ بھی نہ نکل سکے۔ لیڈی کانسٹیبل نے آواز لگائی، جلدی کرو۔۔۔ جلدی بیٹھو گاڑی میں۔۔ ادھر زیادہ رکنے کی اجازت نہیں۔۔ اس کا بڑا بیٹا چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھال رہا تھا۔ بچے جو آس لگائے بیٹھے تھے کہ آج ماں رہائی کے بعد ان کے ساتھ واپس جائے گی۔ خالی ہاتھ گھر واپس جا رہے تھے۔

وہ لوگ جو نشے جیسی لت میں پڑ جاتے ہیں ان کی زندگی تو تباہ و برباد ہوتی ہی ہے، مگر نشہ بیچنے والوں کا انجام بھی کچھ اچھا نہیں ہوتا، وہ بھی بالآخر اپنے خاندان سمیت تباہی کے دہانے پہ پہنچ جاتے ہیں۔ لہٰذا نشہ کرنے یا نشہ بیچنے سے ہر صورت اجتناب کرنا چاہیے۔ نشے سے گریز ہی میں زندگی کی بقا ہے۔

سکینہ کی شادی پرویز سے ہوتے ہی، کچھ عرصے میں اس پہ آشکارا ہو گیا تھا کہ وہ چرس ہیروئین کا کاروبار کرتا ہے۔ پھر بچوں کی پیدائش کے بعد شروع میں اسے روکنے کی بہت کوشش کی مگر مالی مسائل سے نبٹنا آسان نہ تھا لہٰذا گھر میں آتے روپے پیسے، نت نئے ملبوسات، مہنگے ساز و سامان اور ہر طرح کی آسائشوں نے اسکی عقل پہ بھی پردہ ڈال دیا۔ بچے اسی ماحول میں پروان چڑھے۔ اب اس کا شوہر اکثر اوقات اسے نشے کی پڑیاں گھر کے سامان میں باندھ کے دے دیتا کہ یہ فلاں بندے کو پہنچا دے۔ وہ اول اول تو بہت گھبرائی مگر پھر اسکا ہاتھ کھل گیا۔ اس کامیابی کے ساتھ پولیس کو چکما دیتی کہ انھیں اپنے مخبر کی دی ہوئی اطلاع پر شک ہونے لگتا۔ گھر میں روپئے پیسے کی فراوانی تھی مگر انھیں نہیں معلوم تھا کہ وہ یہ زہر فروخت کر کے کتنے گھروں کے چراغ گل کر رہے

ہیں ۔لیکن قدرت کی لاٹھی بے آواز ہے اور دوسروں کے گھروں میں لگائی گئی آگ رفتہ رفتہ اپنے گھر تک بھی پہنچ جاتی ہے۔

وہ آخری پھیرا تھا جس دن اس نے مال اٹھا کے دوسرے شہر جانا تھا۔اس مرتبہ مال بہت زیادہ تھا۔وہ پہلی بار اتنا زیادہ مال اٹھا کے کہیں جا رہی تھی اور اسے پتہ تھا کہ اگر وہ پکڑی گئی تو اسکی سزا سیدھی سزائے موت یا کم سے کم عمر قید ہے۔کپڑوں سے بھرے بکس کو بظاہر دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس میں کوئی غیر قانونی چیز بھی ہو سکتی ہے۔مگر جو اصل چیز تھی وہ بیگ کے اندر بنائے گئے خفیہ خانوں میں چھپائی گئی تھی۔وہ جاتے جاتے الوداعی نظر گھر پہ ڈال کر کہنے لگی۔پرویز۔۔!بس بہت ہو چکی۔کافی مال کما لیا ہے۔اسے میرا آخری پھیرا سمجھو۔اس کے بعد میں یہ کام نہیں کروں گی۔پرویز اسے حیرانی سے دیکھنے لگا اور واقعی اسکا کہا درست ثابت ہوا کہ وہ۔۔۔۔اسکی زندگی کا آخری پھیرا ہی تھا۔

وہ ایک ناکے پہ پکڑی گئی تھی۔اسے شدید حیرت نے آ گھیرا،جب تلاشی والے نے سب سے پہلے ہی بکس کے خفیہ خانوں پہ ہاتھ ڈالا۔اسکا شک درست ثابت ہوا جب دھڑ دھڑ کر کے گرتے ھیروئن کے پیکٹ دیکھ کر انھوں نے ایک دوسرے کی سمت دیکھا اسکا مطلب ہے" اطلاع درست تھی۔۔۔اسکے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔اسے اپنے پکڑے جانے سے زیادہ اس بات کا دکھ تھا کہ مخبری کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ اسکا اپنا شوہر تھا۔کیونکہ اس بات کا علم صرف اسے ہی تھا کہ وہ کس وقت کس راستے سے اور کتنا مال لے کے نکل رہی ہے۔

آنے والے وقتوں میں یہ بات مزید واضح ہوگئی۔جب ایک بار بھی اس کا شوہر اس سے ملنے نہ آیا اور پھر بچوں نے اسے بتا دیا کہ اس نے شادی کر لی ہے۔اس نے اسے ایک عام خبر کی طرح سنا کیونکہ وہ تو اسی دن اسکے دل سے اتر گیا تھا جب اس نے اسے گرفتار کروایا تھا۔وہ اس دن کو کوس

رہی تھی جب اس گھناؤنے کاروبار میں اپنے شوہر کے ساتھ ملوث ہوگئی تھی۔

اس کو جیل کاٹتے کئی سال بیت چکے تھے۔اس دوران اس کا شوہر بھی چھاپہ پڑنے کے دوران فراری کی کوشش میں، پولیس مقابلے میں مارا گیا۔وہ خود کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئی تھی۔اس کے گھر کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔چرس پاؤڈر اور آئس کے مکروہ دھندے نے اسکے پورے خاندان کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔اسکے بچے ایک ورکشاپ پہ کام کرتے اور بیٹیاں لوگوں کے گھروں میں کام کر کے اپنی روزی روٹی کا بندوبست کرتی تھیں۔ملاقات پہ آتیں تو ماں ان کے ننھے ننھے ہاتھ دیکھ کران پہ لگے چھالے گنتی رہ جاتی۔بہت عرصہ سے اس کے دونوں بیٹے ملاقات کے لئے نہیں آ رہے تھے۔جب بھی پوچھتی تو بیٹی بہانے بنا کر ٹال دیتی۔پھر ایک دن بیٹی نے بتا دیا کہ اسکا چھوٹا بیٹا نشہ کرنے لگ گیا ہے اور ادھر ادھر چوریاں بھی کرنی شروع کی ہیں اور دوسرا تو نہ جانے کب کا لاپتہ ہے۔اسکی چیخ و پکار سن کر اطراف میں کھڑے لوگوں کے دل کانپ گئے۔بیٹی اسے تسلی دے رہی تھی مگر یہ طفل تسلی ناکام ثابت ہوئی جب اس کا بیٹا چرس پاؤڈر اور آئس کا دھندا کرنے والوں کے ایک بہت بڑے گروہ کے ساتھ مل گیا اور جلد ہی گرفتار ہو کر اسی جیل کے مردانہ وارڈ میں شفٹ کیا گیا جہاں اس نے باقی زندگی گزار دی۔

(کئی سال بعد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

جیل کے زنانخانے میں ہو کا عالم تھا۔نماز فجر کا وقت تھا۔ایسا لگ رہا تھا کہ ہر طرف موت ناچ رہی ہے۔آج مردانہ جیل میں کسی کو پھانسی لگنی تھی اور وہ کوئی اور نہیں بلکہ اسی سکینہ کا بیٹا تھا جسے بھاری مقدار میں آئس سمگل کرتے پکڑا گیا تھا اور کتنے ہی سال جیل میں گزارنے کے بعد اسکی تمام اپیلیں

خارج ہوتی گئیں اور آخرکار اسکی پھانسی کا اعلان ہوگیا۔ایک دن قبل اسکی اپنی ماں سے آخری ملاقات تھی۔ دونوں ماں بیٹا کمرہ ملاقات کی جالی میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔۔ماں کو غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ پھر اس نے فریاد کی کہ وہ آخری بار بیٹے کو گلے لگانا چاہتی ہے۔سرکاری اہلکار نے بندوبست کرلیا۔بیٹا ماں کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ پتہ نہیں ماں بیٹے میں سے کس کا دکھ زیادہ تھا۔اس ماں کی کیا حالت ہوگی جسے پتہ ہو کہ ایک دن بعد اسکے بیٹے کو پھانسی لگ جانی ہے۔اس کا بیٹا اس سے خوش قسمت نکلا کہ جو سب دکھوں سے آزاد ہو جائے گا لیکن عمر قید پھانسی سے بھی بڑی سزا ہے جس میں نہ موت آتی ہے اور ہی انسان زندہ رہتا ہے۔ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔اسے وہ دن یاد آرہا تھا جب اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ یہ اس کا آخری پھیرا ہوگا۔اس وقت اسے کیا خبر تھی۔۔۔۔۔۔کہ ایک دن وہ اپنے بیٹے کو زندگی کا آخری بوسہ دے رہی ہوگی۔۔۔۔۔!!

(فوزیہ تاج)

قبرستان میں زندہ لاشیں

میں ایک اخباری رپورٹر ہوں اور ہر وقت نئی اور انوکھی خبروں کی تلاش میں رہتا ہوں۔ کچھ عرصہ سے منشیات فروشوں اور نشے کے بیوپاریوں کے خلاف باضابطہ طور پر حکومتی کاروائیاں شروع تھیں۔ اس دوران اخباری نمائندوں نے بھی اپنے اپنے طور پہ جگہ جگہ مارے جانے والے پولیس چھاپوں کے بارے میں رپورٹنگ شروع کی لیکن مجھے بیورو چیف کی ہدایت تھی کہ کوئی نئی اور مختلف خبر ہو۔ اسی اثنا میں میرے علم میں آیا کہ شہر کے آخری سرے پہ بنے پرانے قبرستان میں کچھ لوگوں کو چھپ کر نشہ کرتے دیکھا گیا ہے۔ میں جو عرصہ سے کسی ایسی ہی کہانی کی تلاش میں تھا رات وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا۔

سیاہ کالی رات میں اکیلا ہی قبرستان کی جانب رواں دواں تھا۔ قریب پہنچ کر عجیب سا خوف محسوس ہوا۔ آیت الکرسی کا ورد کرتے آگے بڑھتا چلا گیا۔ بہت آگے تک آ گیا لیکن دور دور تک کوئی دکھائی نہ دیا۔ لگتا ہے کسی نے غلط رپورٹنگ کی ہے۔ میں نے خود کلامی کی اور مایوس ہو کر واپسی کا ارادہ کیا تو اچانک ہی دور ایک قبر میں روشنی سی دکھائی دی جس نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کروالی۔ میں تیز رفتاری سے اس قبر کے قریب پہنچ گیا۔ آگے عجیب سا منظر تھا۔ ایک قبر میں سے کتا بھی نکل رہا تھا۔ اس کے قریب ہی دو ہیروئینچی بیٹھے دنیا و مافیا سے لاتعلق ہو کے مست بیٹھے کوئی نشہ کر رہے تھے۔ مجھے کیمرہ اور مائک ہاتھ میں تھامے دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر اس سے قبل میں نے انھیں جا لیا۔ اب وہ میرے سامنے بیٹھے میرے سوالوں کے جواب دے رہے تھے۔ وہ دونوں ہیروئین پیتے تھے۔ ایک کا نام قدیر اور دوسرے کا بلال تھا۔ دونوں کڑیل جوان تھے۔

قدیر نے بتایا کہ وہ دوستوں کے ساتھ مل کر سگریٹ پیتا تھا پھر رفتہ رفتہ چرس، ہیروئین اور آئس

بھی پینے لگ گیا۔ میں نے پوچھا کہ سگریٹ کیونکر پینا شروع کی تھی۔ جواب ملا۔۔۔۔ دکھ، تکلیف اور پریشانی سے نجات حاصل کرنے کے لئے۔ میں نے از راہ ہمدردی سوال کیا۔ کون سا ایسا دکھ تھا۔ وہ کہنے لگا۔ پہلی بار تو تب پیا تھا جب محبت میں ناکامی ہوئی تھی۔ کیا سگریٹ پینے سے محبت میں کامیابی ہوگئی۔ میں نے چبھتا ہوا سوال اسکے منہ پہ دے مارا۔ نہیں صاحب۔۔۔۔ محبت تو نہ مل سکی مگر بھول ضرور گئی۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ مجھے عادت ہی ہوگئی۔ بات سگریٹ سے ہوتے ہوئے آئس تک پہنچ گئی۔ اب تو اسقدر عادت ہو چکی کہ نشہ نہ ملنے پہ جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

اب مائک اور کیمرے کا رخ بلال کی جانب تھا۔ پہلے تو وہ کچھ بتانے پہ راضی ہی نہ ہوا۔ پھر جب اسے یقین آیا کہ میرا تعلق پولیس سے نہیں بلکہ میرا مقصد ان دونوں کی مدد کرنا ہے تو وہ اپنے بارے میں بتانے لگا۔ اس کا باپ مزدور تھا۔ گھر میں اسکے علاوہ چھ اور بہن بھائی تھے۔ وہ بہن بھائیوں میں سے سب سے بڑا تھا۔ اس قدر غربت تھی کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی کا مقابلہ کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ بھوک و افلاس اور تنگدستی سے مجبور ہو کر وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ مزدوری پہ جاتا تھا۔ صبح سویرے سے شام تک وہ اور اسکا باپ محنت مزدوری کرتے تھے لیکن ان تھک محنت کے باوجود بھی شام کو ان کے ہاتھ میں چار پیسے بھی نہ ہوتے۔ محنت مزدوری کرتے کرتے اسکے باپ کو ٹی بی ہوگئی۔ اب سارے گھر کی ذمہ داری اس پہ آن پڑی۔ باپ کے علاج اور گھر کے خرچے نے اسے آدھ موا کر دیا۔

اسی اثنا میں اسکی ملاقات آئس کا دھندا بیچنے والے ایک گروہ سے ہوگئی اور وہ پیسوں کے لالچ میں ان کے ساتھ مل کے کام کرنے لگا۔ کچھ ہی عرصے میں اسکے گھر کے حالات بہتر ہونے لگے لیکن اسکی اپنی حالت خراب ہونے لگی کیونکہ آئس بیچتے بیچتے وہ خود بھی پینے لگ گیا تھا اور اب تو اسقدر عادی ہوگیا کہ راہ فرار نہیں ملتی تھی۔

تم لوگوں نے نشہ چھوڑنے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ میں نے ان دونوں سے

پوچھا۔کیوں نہیں سوچا جناب لیکن نشہ چھوڑ دینا آسان کام نہیں ہے۔جسم ٹوٹتا ہے اور بروقت نشہ نہ ملنے پہ اسقدر تکلیف ہوتی ہے کہ جان بھی جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔دوسرا بولا۔ہم نے سنا ہے کہ مختلف شہروں میں جگہ جگہ نشہ چھڑوانے اور نشہ آوروں کا علاج کرنے کے لئے سینٹر موجود ہیں۔اگر کوئی ہمارا علاج کروا سکے تو یہ اسکی ہمارے ساتھ نیکی ہوگی۔ان کی بات سن کر میرے دل میں امید کی ایک شمع جل اٹھی۔رات کالی ضرور ہے مگر روشنی کی کرن کہیں سے بھی نمودار ہو سکتی ہے۔(دل میں تہیہ کرلیا کہ محض ایسے لوگوں کا انٹرویو کر لینا ہی کافی نہیں۔ان کے بارے میں کسی ریہیب سینٹر میں اطلاع کرنی چاہیئے)

تم دونوں نے نشہ کرنے کے لئے قبرستان کیوں چنا ہے۔کیا کوئی اور جگہ نہیں ملی تم لوگوں کو۔میرے پوچھنے پہ انھوں نے بتایا کہ شہر کے مصروف اور بارونق علاقوں میں پکڑے جانے کا خدشہ رہتا ہے اس لئے ہم نے اس قبرستان میں ایک پرانی قبر کو کھود کے اپنے لئے جگہ بنائی ہے جہاں ہم رات کو بآسانی نشہ کر سکتے ہیں۔۔کیونکہ قبرستان ایسی جگہ ہے کہ رات تو رات دن کو بھی لوگ کم ہی گزرتے ہیں۔نشہ کرنے کے بعد تم لوگ کیا کرتے ہو۔۔۔کیا کرتے ہیں صاحب۔۔۔بس دنیا کے دکھ درد اور پریشانیوں سے غافل ہو کر بے سدھ ہو کے ان ہی قبروں میں سو جاتے ہیں۔آپ ہمیں" زندہ لاشیں" کہہ سکتے ہیں۔ان میں سے ایک ہنستے ہوئے کہنے لگا۔اب میں ان کو اور ویران قبرستان کی پرانی قبروں کو دیکھ رہا تھا۔دفن مردوں۔۔۔اور زندہ لاشوں میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔

سگریٹ نامہ۔۔۔(حصہ۔1)

خلیل جبران کہتا ہے کہ میں کبھی لاجواب نہیں ہوا مگر اس شخص کے سامنے جس نے مجھ سے پوچھا کہ" تو کون ہے۔۔۔؟؟۔آج مجھے بھی اپنا تعارف کرواتے ہوئے سخت شرمندگی محسوس ہو رہی ہے کیونکہ مجھے آج سانسوں کا دشمن کہا جاتا ہے۔میں اپنے بارے میں کیا بتاؤں کہ مجھے اپنے چال چلن اور کردار کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہوگیا ہے۔آج تک ٹوبیکو انڈسٹریز نے مجھے جس عزت وتکریم کے ساتھ رکھا ہوا تھا، میں اپنے آپ کو راجہ اندر سمجھتا تھا اور کیوں نہ سمجھتا میں زیادہ تر امراء کی محفلوں کی جان ہوتا تھا۔میں اسقدر قیمتی تھا کہ غریبوں کو منہ نہ لگاتا تھا اور نہ ہی غریب مجھے منہ سے لگا سکتے تھے اور اسکی وجہ غربت وتنگدستی تھی لہٰذا غریب کی پہنچ نسوار تک ہی تھی جس تک رسائی اتنی مشکل نہ تھی۔ہر چوک، محلے اور بازار میں پائی جاتی تھی۔

پھر وقت بدلا تو میں نے بھی گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اپنا چولا بدل لیا۔پہلے پہل میں سفید لباس میں ملبوس ایک ہی نام اور قد وقامت کا ہوتا تھا اب میں چھوٹے بڑے سائز میں مختلف ناموں، ذائقوں اور قیمتوں کے ساتھ موجود ہوں کیونکہ میری شہرت، قدر وقیمت اور مانگ میں دن دونی رات چوگنی اضافہ ہو رہا تھا۔لہٰذا میں سستے سے لے کر انتہائی مہنگے داموں میں بھی دستیاب تھا۔ اب مجھے ہر کوئی خرید سکتا تھا اور تو اور اب سکول کالج کے بچے بھی بآسانی مجھے حاصل کر سکتے تھے۔

پہلی بار اس وقت میرے کان کھڑے ہوئے جب میں نے ایک عمر رسیدہ والد کو اپنے نوجوان بیٹے کے ہاتھوں خوار ہوتے دیکھا جو سگریٹ نوشی کی لت میں مبتلا تھا اور فیس کے لئے دیئے گئے پیسوں سے سگریٹ خرید خرید کر پی رہا تھا، صحت گر گئی تھی، بالآخر پڑھائی میں عدم دلچسپی، فیس کی عدم

ادائیگی اور بری صحبت کی وجہ سے اس کا نام سکول سے خارج کر دیا گیا تھا۔لفظ" بری صحبت" نے مجھے اپنے گریبان میں جھانکنے پہ مجبور کر دیا۔میرا ضمیر مجھے جھنجھوڑ رہا تھا کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا کہ ایک باپ کی گردن معاشرے کے سامنے جھک گئی ہے اور ایک نوجوان کا مستقبل تاریک ہو چکا ہے۔میں جوں جوں غور کر رہا تھا،آئینے میں اپنا مکروہ چہرہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔

کسی بھی محفل میں میری موجودگی کا مطلب "بری صحبت" اور مجھ سے وابستگی کا مطلب تباہی تھا۔یہ سب سوچ کے میں انتہائی سبکی محسوس کر رہا تھا پھر مجھے وہ بوڑھی عورت یاد آ گئی جس کی دوا کے لئے دیئے گئے پیسوں سے اسکے بیٹے نے سگریٹ خرید لئے تھے اور وہ دائمی سانس کی مریضہ،دوا نہ ملنے کی وجہ سے کھانس کھانس کر بے حال ہو رہی تھی۔ان تین لڑکوں کو تو میں کبھی بھول ہی نہیں سکتا جو ایک عرصے سے اکھٹے ہو کر سگریٹ پیتے تھے اور جب گھر سے دیئے گئے پیسے ختم ہو جاتے تو وہ سگریٹ خریدنے کے لئے جگہ جگہ چوریاں کرتے تھے اور ایک مرتبہ چوری کرتے ہوئے چوکیدار کی فائرنگ کے دوران ان میں سے ایک تو بھاگ نکلا،دوسرا موقع پر ہی ہلاک ہو گیا کیونکہ اسکے سر پہ گولی لگی تھی اور تیسرا ٹانگ میں گولی لگنے کے باعث بھاگ نہ سکا اور پولیس نے گرفتار کر لیا۔اس پہ چوری اور نشہ آور اشیاء بیچنے کے بھی بہت سے مقدمات کھل گئے اور وہ جیل میں پہنچ گیا۔

یاد تو مجھے وہ شخص بھی آ گیا جو حد سے زیادہ سگریٹ نوشی کی وجہ سے آخر میں پھیپھڑوں کے کینسر میں مبتلا ہو گیا اور علاج کی کوئی تدبیر نہ بننے پہ اپنی اولاد کو معاشرے کے رحم و کرم پہ چھوڑ کے موت کے گھاٹ اتر گیا۔

اور اس دن تو مجھے اپنی بہت ہتک محسوس ہوئی جب نشہ بازوں کے ایک گروہ میں میرا مذاق اڑایا جا رہا تھا کیونکہ وہاں چرس،افیم ہیروئین اور آئس کے عادی جمع تھے اور ایک نو آموز سگریٹ نوش کو لیکچر دیا جا رہا تھا کہ سگریٹ تو بچوں کا کھیل ہے۔۔۔اصل مزہ تو ان دیگر نشہ آور اشیاء میں ہے

اور سگریٹ نوش نے ان سب کے بے حد اصرار پہ ہیروئین پینے کے لئے حامی بھرنے کے بعد مجھے قریب پڑے کچرے کے ڈبے میں پھینک دیا تھا۔میری بجھتی ہوئی راکھ کے ساتھ ساتھ میرا دل بھی سلگ رہا تھا۔اس دن بھی مجھے احساس ہوا تھا کہ میں ہی وہ جڑ ہوں جس سے پیوست ہو کے نشہ باز دوسری نشہ آور اشیاء تک پہنچتا ہے۔نشہ بازوں کی سرشت میں بے وفائی ہے اور وہ ایک نہ ایک دن میرے ساتھ ساتھ کسی بھی دوسرے نشے سے دل لگا سکتے ہیں حالانکہ میری وفا کا یہ عالم ہے کہ مجھے ایک مرتبہ منہ لگانے والا بری طرح میرے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔مجھ سے پیچھا چھڑانا اسکے لئے آسان نہیں ہوتا۔۔۔میں امربیل بن کر اسکے اندر ڈیرہ ڈال دیتا ہوں پھر میرے عشق کا سرطان اسکی جان لے کے ہی چھوڑتا ہے لیکن کچھ عرصے میں میری یہ خوش فہمی بھی خاک میں مل گئی جب میرے ایک عادی شخص نے عرصہ دراز تک مجھ سے دل لگانے کے بعد بھی مجھے چھوڑ دیا۔۔۔ میری محبت کا نام نہاد بت اسکے پختہ عزم اور مضبوط قوت ارادی کے سامنے پاش پاش ہوگیا۔

یہ تو تھی میری اوقات۔۔۔۔اور میں چاہنے والوں کے نرغے میں اپنی اہمیت اور حیثیت دیکھ کر خود کو نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا تھا۔جس دن سے مجھے آئینے میں اپنا اصل چہرہ نظر آیا تھا مجھے اپنے وجود سے نفرت سی محسوس ہو رہی تھی۔ایسی ہی نفرت جو پروفیسر صاحب کو مجھ سے اور میرے باقی قبیلے سے تھی،جنھوں نے اپنے جوان بیٹے شہرام کو نشے کی لت میں پڑ کر تڑپ تڑپ کے مرتے دیکھا تھا اور بعد میں ہر نشہ آور چیز کے تدارک کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔دادتو میں نے ان بچوں شہریار اور مرسلین کو بھی دی،جنھوں نے میرے زہریلے دھوئیں سے بچنے کے لئے دوسرے کمرے میں پناہ لی تھی۔وہی دھواں آج مجھے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اپنے اردگرد پھیلا محسوس ہو رہا تھا۔شرمندگی تو مجھے اس چار سالہ بچے حماد سے بھی ہو رہی تھی جو دھیرے دھیرے،نامحسوس طریقے سے،باپ اور دادا کی دیکھا

دیکھی میری طرف بڑھ رہا تھا اور صد شکر کہ میرا برا سایہ اس پہ پڑنے سے قبل ہی اسکے بڑوں کو احساس ہو گیا تھا اور انھوں نے اپنا قبلہ درست کر لیا تھا۔ یاد تو مجھے روز اور کیٹ بھی بہت آئیں جو مجھ سے اور میرے دوسرے قبیلے سے دل لگانے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے تاریک راہوں کی مسافر بن گئیں تھیں۔ میرا دل خود سے پہلے ہی اچاٹ ہو گیا تھا کہ اس اثنا میں ''دو بڑے'' میری وجہ سے آپس میں دست و گریبان ہونے لگے۔

ہوا کچھ یوں کہ میری بدکرداری اور بے راہ روی کی وجہ سے جب پوری سوسائٹی متاثر ہونے لگی تو محکمہ صحت نے میرے سد باب کے لیے مختلف اقدامات کرنے شروع کر دیئے۔ بہت سی جگہوں پر چھاپے مارے گئے۔ سگریٹ نوشی کی خرید و فروخت کے لئے باضابطہ قوانین نافذ کئے گئے۔ مختلف کمپنیوں پہ بین لگائے گئے۔ میری آڑ میں منشیات کا کام کرنے والے کئی ایجنٹ اور ان کے خفیہ ٹھکانوں کی نشاندہی بھی ہوئی۔ الغرض ٹوبیکو کنٹرول والوں نے سگریٹ فروشوں، سگریٹ نوشوں اور خفیہ ایجنٹس کا جینا دوبھر کر دیا۔ حکومتی سطح پر قانون سازی کے علاوہ سکول، کالج، یونیورسٹی، ریلوے اسٹیشن، بس اسٹاپ، ہسپتال، سرکاری دفاتر ہر جگہ سگریٹ نوشی کے مضر اثرات سے آگاہی اور اسکے انسداد کے لیے باقاعدہ مہم جوئی کا آغاز ہو گیا۔ اساتذہ و طالب علموں کے علاوہ پبلک و پرائیویٹ سیکٹر میں سیمینارز اور ٹریننگ سیشنز کا انعقاد کیا گیا۔ اس ساری تگ و دو میں اگر میرا استعمال مکمل طور پہ بند نہ بھی ہوا تو میری ساکھ بہت حد تک متاثر ہو چکی تھی۔

مگر عجیب بات تھی کہ میں اپنے زوال پہ بہت خوش تھا میرے نشے میں مبتلا ہو کر کئی لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ کئی خاندان تباہ ہو گئے اور بہت سی ماؤں کی گود اجڑ گئی۔ ملکی و بین الاقوامی طور پہ بھی جگ ہنسائی اور ذلت میرے حصے میں آئی۔ یہی مکافاتِ عمل تھا۔ بعید نہیں کہ مکمل

طور پر میرا سد باب ہو جاتا کہ یکا یک دو" بڑوں" میں سے ایک جو میرے انسداد کے لئے لڑ رہا تھا اور میرے سد باب کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا رہا تھا۔۔۔اسکی کاروائیوں میں خلل انداز ہونے کے لئے دوسرا "بڑا" اٹھ کھڑا ہوا۔

سگریٹ نامہ۔۔۔۔(حصہ۔2)

یہ مجھے بنانے والی کمپنیاں تھیں۔جن کے ساتھ سگریٹ نوشوں اور سگریٹ فروشوں نے الحاق کرلیا اور باہمی اشتراک سے انسداد سگریٹ نوشی کی مہم کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کی کیونکہ میری پوری انڈسٹری اسوقت خسارے میں جارہی تھی لیکن اپنی اس ڈوبتی ناؤ کو کنارے لگانے کے لئے انھوں نے مارکیٹ میں ایک نئی چیز متعارف کروائی۔جس کو انھوں نے ''الیکٹرانک سگریٹ'' کا نام دیا اور ساتھ ہی ایک مہم چلانی شروع کردی جس کا مقصد لوگوں کو یہ ترغیب دینا تھا کہ ای-سگریٹ۔۔۔۔کم نقصان دہ ہے۔یعنی اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ان کے راغب کرنے پہ کئی لوگ آمادہ ہوگئے اور دوسروں کو بھی اسکی ترغیب دینے لگے۔کوئی اور نہ بھی جانتا ہو لیکن مجھے تو معلوم تھا کہ اس نئے لبادے میں چھپا۔۔۔وہ۔۔۔کوئی اور نہیں بلکہ میں ہی ہوں۔ جس نے کئی لوگوں کی جانیں لی ہیں۔

یہ مقابلہ دو طاقتوں اور دو مختلف نظریات کے درمیان تھا۔ایک طرف کمپنیاں تھیں۔جن کے پاس سگرٹ کے بعد الیکٹرانک سگریٹ کی پرکشش مہم، مارکیٹنگ کی حکمت عملی اور میڈیا کے ذریعے نوجوانوں کے جذبوں کو جگانے کا فن تھا، دوسری طرف سائنس دان اور حکومتی نمائندے تھے جن کے پاس اعداد وشمار، تحقیقی رپورٹیں اور عوام کی صحت کا تحفظ کرنے کا عزم تھا۔

کاش کہ میرے منہ میں زبان ہوتی تو میں ببانگ دہل انھیں بتاتا کہ الیکٹرانک سگریٹ کا کم نقصان دہ' ہونا دراصل ایک پرفریب کہانی ہے جو اپنے کم دھوئیں کے باعث مختلف برانڈز، متنوع ذائقوں اور رنگ برنگی ڈیوائس کے باعث عوام میں بہت مقبولیت حاصل کررہے ہیں ان کا استعمال خواہ کسی بھی مقدار میں ہو، صحت عامہ کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔

الیکٹرانک سگریٹ ایجاد کرکے افواہ پھیلائی گئی کہ اس کا مقصد سگریٹ نوشی چھوڑنے میں مدد

کرنا ہے مگر سچ پوچھیے ۔۔۔تو یہ بھی اسی طرح تباہ کن ہے جیسے میں لوگوں کی صحت برباد کرتا ہوں۔ الیکٹرانک سگریٹ کے دفاع میں کہا جاتا ہے کہ یہاں تمباکو جلتی نہیں بلکہ بخارات میں تبدیل ہوتی ہے اس لئے اس کا دھواں کم نقصان دہ ہے لیکن درحقیقت اسکی بھاپ میں بھی نکوٹن اور لاتعداد خطرناک کیمیکلز موجود ہوتے ہیں جو انتہائی مضر صحت ہیں۔فعال اور غیر فعال تمباکو نوشی میں وہی کردار ادا کرتے ہیں جس طرح میں سگریٹ نوش کے علاوہ ارد گرد بیٹھے لوگوں کو بھی متاثر کرتا ہوں۔میں جل جل کر لوگوں کے دلوں کو جلاتا ہوں جبکہ اس میں پڑا تمباکو گرم ہو کر بخارات کی صورت میں ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے اور ارد گرد کے لوگوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔

میرا یہ سب بتانے کا مقصد خدانخواستہ اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو بچانا یا الیکٹرانک سگریٹ کو گرانا نہیں بلکہ محض یہ باور کروانا ہے کہ تمباکو نوشی کا استعمال خواہ کسی بھی طریقے سے کیا جائے اس کے اثرات ہمیشہ مضر ہی رہتے ہیں اور انسانی صحت و تندرستی اور بقاء کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کی جان لی ہے۔کئی گھروں کو تباہ کیا ہے۔ صاف ستھرے اور پرفضا ماحول کو اپنے دھوئیں اور بدبو سے آلودہ کیا ہے مگر اب یہ جو چاروں جانب سے ”ہارم ریڈکشن“ کا نعرہ بلند کر کے ای-سگریٹ کو سپورٹ کیا جا رہا ہے،اس سے تباہی کا ایک نیا دروا ہو گا لہٰذا سگریٹ سمیت ہر نشہ آور چیز کو نیست و نابود ہو جانا چاہیے۔۔۔۔پھر نیلے،گھٹن زدہ دھوئیں سے پار۔۔۔روشن چمکدار ”صبحِ امید“ منتظر ہو گی۔۔۔اور زندگی سکون سے سانس لے سکے گی۔۔۔۔

غروبِ شام سے آگے، بڑا روشن سویرا ہے
طلوعِ شمس ہونے تک ، امید صبحِ نو رکھنا

فوزیہ تاج